آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✿ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ | بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۹ء | نمبر ۱۲

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- دسمبر ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا- چندہ سالانہ عوام سے عہ طلبا سے عہ

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجرب

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعفِ نظر کی عام شکایت ہے۔ مینے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلّم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے۔ اسکے اصل ہونیکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبّی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپ کی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیح حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد مینے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضان چشم آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے کو آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کئے ہیں اور اب فائدہ عام کے لئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں۔ اسلیئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے قیمت سرمہ اوّل قسم عہ قسم دوم عہ قسم سوم عہ۔ فی تولہ قیمت ممیرا قسم اوّل عہ جسکو لوگ اڑھائی سو فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم لے۔ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کر کے قیمت لے لو۔

علاوہ ازیں میرے پاس ہر قسم کی لنگی۔ زری۔ ریشمی۔ پشاوری۔ سوتی۔ زرد۔ سیاہ۔ بادامی مشہدی۔ افسری و سفید پٹکہ ٹسری (جسکو لوگ ریشمی کہتے ہیں) وغیرہ عہ سے لیکر عہ روپے تک موجود ہیں۔ اور نیز کلاہ ہر قسم زری و سادہ اور ٹوپی رومی ہر قسم میرے پاس موجود ہے اور قیمت میں بالکل کوئی زیادتی نہیں دریافت کریں۔ جو چیز پسند نہ ہو معقول وجہ بیان کرنے پر خریدار کو واپس کرنیکا اختیار ہے۔ خرچ آمد و رفت بذمہ خریدار۔

المشتہر

احمد نور۔ کابلی مہاجر از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

نوٹ۔ خریداران ریویو کی خدمتمیں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور لکھا کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام نمبر ۲

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو گذشتہ نمبر)

حضرت نبی کریمؐ کے امن پسندارادے

جب اس بات پر غور کیا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اقوام عرب کے ساتھ عہد و پیمان کرنیکے لیئے تیار رہتے تھے تو یہ بات صاف طور پر ظاہر ہو جاتی ہے کہ آپؐ اپنی طبیعت کے خلاف جنگ کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔ جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تو آپنے پہلا کام یہی کیا کہ کفار مدینہ اور گرد و نواح کی یہودی اقوام کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ اس معاہدہ کی رُو سے ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل تھی اور یہ بھی شرط تھی کہ امن سے زندگی بسر کریں اور ایک دوسرے کیلئے اچھے پڑوسی بنکر رہیں پھر آپنے شام کے راستہ پر رہنے والی اقوام سے جو مدینہ کے مغرب کی طرف آباد تھیں عہد و پیمان کیئے۔ پھر جب آپ غزوہ دومتہ الجندل سے واپس آرہے تھے تو راستہ میں فزارہ قوم کے سردار عیینہ سے بھی ایک عہدنامہ کیا۔ علاوہ ازیں آپنے مدینہ کے شمال کی طرف رہنے والی بعض اقوام سے بھی معاہدہ کر لیا تھا۔ چنانچہ جب دحیہ کو شام سے آتے وقت لُوٹ لیا گیا تو پڑوس کی ایک اور قوم نے جنکے ساتھ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے امن کا معاہدہ کیا ہوا تھا لٹیروں پر حملہ کر کے تمام مال واپس دلا دیا (دیکھو ولیم میور) اور جس قوم پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے غلطی سے حملہ کیا تھا اور پھر اُنکا مال اور قیدی واپس کیئے تھے وہ بھی آنحضرت صلعم سے معاہدہ کر چکے ہوئے تھے جسکا میں پہلے

بھی ذکر کر چکا ہوں۔ اگرچہ عرب کی خانہ بدوش لٹیری قومیں جنگ و جدل کی اسقدر مشتاق تھیں کہ اُنسے کوئی معاہدہ کرنا محال تھا۔ تاہم دیکھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امن قائم رکھنے کے لیئے جو قوم بھی رضامند ہوئی اُسی سے امن کا عہدنامہ کر لیا۔ اور معاہدوں کی پابندی میں آپ جسقدر محتاط اور مضبوط تھے اُسکا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب بیرٔ معونہ کے حادثہ سے بچے ہوئے صحابی نے راستہ میں غلطی سے ایسے دو شخصوں کو قتل کر دیا جو آنحضرت صلعم سے معاہدہ کر آئے تھے تو آپنے اُن دونوں شخصوں کا خون بہا ادا کر دیا۔ اور اُن کا مال بھی واپس کر دیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) امن کے اسقدر خواہشمند تھے کہ آپ نے اسلام کے دشمنوں کو راضی کرنیکے لیئے اُنسے ناطہ رشتہ کرنیکی بھی کوشش کی اور اس طرح بنی مصطلق جنکو آنحضرتؐ نے مُریسیع کے مقام پر شکست بھی دی تھی آخر اپنے سردار کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی آنحضرتؐ سے شادی ہونے پر مسلمانوں کے ساتھی ہو گئے جب حضرت جویریہ رضی اللہ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد ہوا تو مسلمانوں نے بنی مصطلق کو اپنے رشتہ دار سمجھکر اُنکے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا اور اس بات کا انپر ایسا اثر ہوا کہ سب کے سب بطیب خاطر مسلمان ہو گئے اور اس طرح وہ قوم جو پہلے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت دشمن تھی اب گہری دوست اور جان نثار بنگئی۔ (ابن ہشام) انہی صلح آمیز اغراض کو مدِّ نظر رکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عبدالرحمن کو دومۃ الجندل کی عیسائی قوموں کے مقابلہ کے لیئے بھیجا تھا تو اسکو ہدایت فرمائی تھی کہ بنی کلب کے عیسائی سردار اصبغ کی لڑکی سے شادی کر لے۔ (زاد المعاد)

پھر محاصرہ مدینہ کے بعد کا برس تو امن کے معاہدوں کے لیئے خاص ہی شہرت رکھتا ہے کیونکہ اسی سال حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ اور مکہ کے درمیان رہنے والی بہت سی قوموں کے ساتھ دوستانہ عہدنامے کیئے تھے۔ (لائیف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۳۴۰)

ان معاہدوں سے صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً امن کے خواہاں تھے اور آپکو جہاں کہیں لڑنا پڑا وہ مجبوراً اور آپکی رحیم کریم طبیعت کے خلاف تھا۔

ہر ایک عقلمند آدمی اس بات کو آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ اسلام کی اشاعت کیلئے جنگ کی نسبت امن زیادہ موزون تھا۔ زمانہ امن میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آسانی سے وعظ فرما سکتے تھے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دے سکتے تھے مگر جنگ کے وقت یہ کہاں ممکن ہو سکتا تھا۔ اگر کل دنیا بھی تلوار کے زور سے مسلمان ہو جاتی تو متکبر عرب پھر بھی کل دنیا کے بعد اسلام کے مطیع ہوتے۔ اگر عربوں کو جبرًا مسلمان کرنے کیلئے تلوار اٹھائی جاتی تو بجائے رغبت کے انکو اسلام سے نفرت ہو جاتی اور اشاعت رک جاتی۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ عربوں کو انکی طبیعت کے خلاف اسلام لانے پر مجبور کیا گیا وہ انکے چال چلن اور اخلاق و عادات سے اپنی ناواقفیت ظاہر کرتا ہے اسلام ایک ایسا مذہب تھا جسکی تعلیم عین فطرت انسانی کے مطابق تھی اور اسکی اشاعت کا سب سے بہتر ذریعہ یہ تھا کہ لوگوں کے نور قلب اور انکی فراست سے اپیل کیجاتی اور اسلام کی خوبیاں انکے سامنے پیش کیجائیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مذہب کی طاقت سے واقف تھے اور آپکو یقین تھا کہ اگر آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو آپکی کامیابی تلوار کی فتوحات سے کہیں بڑھ چڑھکر ہوتی۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ دل وجان سے امن کے خواہاں تھے۔

صلح حدیبیہ اب سنہ ہجری کا تو چھٹا سال ہو گیا تھا مگر اس عرصہ دراز میں قریش کی دشمنی کے باعث مہاجرین کو نہ تو اپنا وطن عزیز دیکھنا ملا اور نہ سالانہ حج کر سکے۔ اور اگرچہ قریش مجاز نہ تھے کہ کسی شخص کو خواہ وہ انکا دشمن ہی کیوں نہ ہو حج سے باز رکھ سکیں تاہم ان لات ومناۃ کے پجاریوں نے خدائے واحد کے ماننے والے مسلمانوں کو اس قاعدے سے بھی مستثنےٰ کر دیا اور بیت الحرام کی مقدس ومبارک چار دیواری کے طواف سے انکو محروم رکھا۔ مکہ سے ہجرت کر جانیکے چھ سال بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیا میں دیکھا کہ آپ اور آپکے صحابہؓ امن امان سے عمرہ کے فرائض ادا کر رہے ہیں آپ (صلعم) نے یہ رؤیا اپنے صحابہؓ کو سنا دیا اور انہیں سے ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ اگر یہ رؤیا کل پورا ہونیوالا ہے تو آج ہی پورا ہو جائے اب ذوالقعدہ کا مقدس مہینہ آنیوالا تھا اور عرب کے رواج کے مطابق اس ماہ کے اندر ملک بھر میں عمومًا اور حدود حرم میں خصوصًا جنگ وجدل کی قطعی ممانعت تھی علاوہ ازین

دشمن اقوام کے ساتھ مٹ بھیڑ ہوجانیکا اس ماہ میں چنداں اندیشہ نہیں تھا البتہ اگر زیادہ خوف ہوسکتا تھا تو آیندہ مہینے میں حج کے موقعہ پر تھا۔ پس ان امن پسند ارادوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ سو صحابہؓ کو ہمراہ لیکر عمرہ کرنیکے لیئے مکہ کو روانہ ہوئے۔ ان سب نے احرام باندھا ہوا تھا۔ اور انکے پاس صرف وہی ہتھیار تھے جنکی رواجاً اجازت تھی یعنی اوّل تلوار جو میان میں ہو دوئم کمان اور سوئم ترکش۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی بہت دور نہیں گئے تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ قریش اپنے بیوی بچوں سمیت مدینہ کی سڑک پر ڈیرے ڈالے پڑے ہیں اور وہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہوتا دیکھنے کے بجائے مرمٹنا پسند کرتے ہیں۔ اور انکے جنگی مردوں نے چیتے کی کھالیں پہن لی ہیں جسکا یہ مطلب ہے کہ درندوں کی طرح لڑینگے اور جبتک دم میں دم ہے منہ نہیں پھیرینگے۔ آنحضرت صلعم نے یہ خبر سنکر اپنے صحابہؓ سے مشورہ کیا انہوں نے یک زبان ہوکر کہا کہ "ہم تو عمرہ کرنیکے لیئے آئے ہیں نہ کسی سے جنگ کرنیکے لیئے۔ ہاں اگر کوئی ہمکو کعبہ کی زیارت سے روکے گا تو ہم اس سے لڑیں گے"۔ پس جنگ سے بچنے کے لیئے حضرت نبی کریم صلعم راستہ سے دائیں طرف ہولیئے اور بڑی سخت کوچ کے بعد پگ ڈنڈیوں میں سے ہوتے ہوئے حدیبیہ پہنچے یہ مقام مکہ کی مقدس سرزمین کی سرحد پر تھا۔ یہاں پہنچکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی جسکا نام القصوا تھا۔ ٹھہر گئی اور آگے بڑھنے سے انکار کیا۔ لوگوں نے کہا کہ "القصوا تھک گئی ہے" مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ "وہ تھکی نہیں بلکہ اسکو وہی ہاتھ روک رہا ہے جس نے اصحاب الفیل کو روکا تھا"۔ الغرض آنحضرتؐ اور آپکے ساتھ کے دوسرے مسلمان سب کے سب حدیبیہ میں اتر پڑے۔ اور اب قریش اور آپکے درمیان نامہ وپیام کا سلسلہ جاری ہوا۔ قریش نے یکے بعد دیگرے یہ پیام بھیجا کہ "ہم لڑنے مرنے پر آمادہ ہیں"۔ قریش نے جو سفیر بھیجے تھے انمیں طائف کا ایک سردار عروہ نام بھی تھا۔ اس شخص نے آکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ "قریش جامے سے باہر ہورہے ہیں اور وہ تمہاری اس آوارہ جماعت کو شہر کے نزدیک تک بھی نہیں پہنچنے دینگے۔ اور واللہ مجھے تو دکھائی دیتا ہے کہ یہ سب لوگ تیرا ساتھ چھوڑکر بھاگ

جائیں گے"۔ یہ سُنکر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اُٹھے اور بڑے جوش سے اس کا جواب دیا پھر جب عروہ نے اثنائے گفتگو میں ایکدفعہ اپنی عادت کے موافق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کو ہاتھ لگانا چاہا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے جو پاس کھڑے تھے فوراً اُسکا ہاتھ ٹھکو کر پیچھے ہٹا دیا اور سختی سے کہا "خبردار! اپنا ہاتھ پیغمبر خدا سے دُور رکھو"۔ صحابہؓ کی اس غیرت اور اپنے آقا و مولا کے ساتھ سچی اُلفت کا یہ اثر ہوا کہ اس عربی سردار نے قریش کے پاس واپس جاکر کہا "مَیں نے کسریٰ قیصر اور نجاشی شاہ حبش کو دیکھا ہے اور اُنکی شاہانہ تزک و احتشام کا ملاحظہ کیا ہے مگر مَیں نے کسی بادشاہ کی رعایا میں اپنے فرمانروا کی وہ اطاعت اور عزت نہیں دیکھی جسقدر مسلمانوں کے نزدیک اُنکے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے"۔ غرض ان سب سفیروں کو آنحضرت صلعم نے ایک ہی جواب دیا وہ یہ کہ "طواف مکّہ کے سوا ہماری کوئی اور غرض مطلقاً نہیں ہے"۔ ان سفیروں کو مسلمانوں کی پاک اغراض کا کامل یقین ہوگیا اور اسی لیئے اُنہوں نے واپس جاکر قریش کو بھی یقین دلانا چاہا اور مسلمانوں کے مقابلہ سے روکنا چاہا مگر اُنہوں نے کوئی بات نہ سُنی بلکہ یہ جواب دیا کہ "ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُسکے پیرووں کو مکّہ میں داخل ہونیکی اجازت دیکر اہل عرب کی نظروں میں ذلیل اور حقیر نہیں ہونا چاہتے"۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے امن پسند ارادوں کا اظہار کرنیکے لیئے اپنے خاص سفیر بھی قریش کے پاس بھیجے جنہیں سے پہلا تو خود آنحضرت صلعم کے اونٹ پر سوار ہوکر گیا۔ ظالم قریش نے اس پیام امن کا جواب یہ دیا کہ اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور سفیر کو قتل کرنے پر آمادہ ہوگئے اور قریب تھا کہ اُسے شہید ہی کر دیتے جبکہ بدوؤں نے مداخلت کرکے چھڑا دیا۔ اللہ اللہ۔ آنحضرت صلعم کی ذات بابرکات بھی کیا ہی رحم مجسم تھی کہ باوجود قریش کی اس ظالمانہ حرکت کے آپنے دوبارہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے امن پسند ارادوں کا اظہار کرنیکے لیئے ایلچی بناکر اُنکے پاس بھیجدیا۔ چونکہ قریش کے درمیان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اکثر ذی اثر رشتہ دار موجود تھے اس لیئے اُنکی زندگی زیادہ خطرہ میں نہیں ہوسکتی تھی۔ پس حضرت عثمانؓ براہ راست سرداران مکّہ کے پاس گئے اور اُنسے

کہا " ہم تو خانہ کعبہ کی زیارت اور اُسکی تعظیم و تکریم کرنے کے لیئے آئے ہیں اور ہمارے ساتھ قربانی کے جانور بھی ہیں اُنکو قربان کرکے ہم امن وخوشی سے روانہ ہوجائینگے "
اس دوسرے پیام کا جواب بھی قریش کی طرف سے یہی ملاکہ "ہم نے تو محمد (صلعم) کو کعبہ کی چاردیواری میں داخل ہونے سے روکنے کی قسم کھائی ہوئی ہے" ایک طرف تو یہ نامہ و پیام ہورہا تھا مگر دوسری طرف اُنہوں نے اسّی آدمیوں کے ایک دستہ کو اس بات پر مامور کیا کہ وہ مسلمانوں کے ارد گرد منڈلائیں اور اگر کوئی مسلمان ہاتھ لگ جائے تو اُسکا کام تمام کردیں۔ پھر یہ لوگ تو یہانتک بڑھ گئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی پتھر اور تیر برسانے لگے۔ مگر آخرکار گرفتار ہوکر آنحضرت صلعم کے حضور پیش کیئے گئے۔ اور آپنے حسب عادت اُنکو معاف کردیا اور واپس چلے جانے کی اجازت فرمادی۔ سبحان اللہ ہمارے نبی بھی کیا رحیم کریم اور رحمۃً للعالمین تھے کہ پتھروں اور تیروں کا جواب رحم اور عفو سے دیتے تھے صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت عثمانؓ کو گئے ہوئے جب بہت دیر ہوگئی اور مسلمانوں کو خوف پیدا ہوا کہ مبادا آپکو شہید نہ کردیا گیا ہو۔ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوگئے اور تمام صحابہؓ نے آپکے گرد حلقہ باندھ لیا اور آپکے ہاتھ پر اس امر کا عہد کیا کہ ہم موت تک آپ کا ساتھ دینگے۔ اس کو بیعت رضوان کہتے ہیں اس واقعہ کی طرف قرآن کریم مفصلہ ذیل الفاظ میں اشارہ فرماتا ہے جنسے آنحضرت صلعم کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے اخلاص اور اُنکی جان نثاری کا پتہ چلتا ہے:۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ یعنی البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوا جسوقت کہ بیعت کرتے تھے تجھ سے درخت کے نیچے پس اللہ تعالیٰ جانتا تھا جو کچھ اُنکے دل میں تھا اور (اُنکے اخلاص کو دیکھکر) خدا نے اُنپر سکینت نازل فرمائی۔ (فتح - ۳) بارے حضرت عثمانؓ کے صحیح سلامت واپس آجانیسے مسلمانوں کو جو کھٹکا اُنکی جان کی نسبت لگا ہوا تھا وہ دُور ہوگیا۔

پیارے ناظرین! خدا کے مامورین کے ساتھ تائید غیبی ہمیشہ اور ہر حالت میں عجیب عجیب

اندازسے ہوا کرتی ہے اور یہی اُنکی سچائی کا بڑا نشان ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُنکے ارادوں کو
پورا کرنیکے لیئے اپنے فرشتوں کی فوجیں بھیجتا ہے جو دلوں کو تسخیر کر لیتی ہیں اور جس طرح وہ
چاہتے ہیں عموماً وہی ہوتا ہے اور دنیا اور دین میں ہمیشہ بامراد ہوتے ہیں اب دیکھیئے
کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صلح چاہتے ہیں اور قریش جنگ۔ وہ پیام صلح دیتے ہیں
اور یہ مسلمانوں کے قتل اور خود آنحضرتؐ پر پتھر اور تیر برسانے کے لیئے اسّی آدمیوں کا ایک
دستہ بھیجتے ہیں آخر وہی ہوتا ہے جو خدا کا رسول چاہتا ہے اور اُسکی کیفیت یہ ہے کہ قریش کے
سفیروں میں نواح مکّہ کا ایک بدّو سردار بھی تھا۔ اسکو بھی دوسرے سفیروں کی طرح مسلمانوں
کے امن پسند ارادوں اور صدق و صفائی کا کامل یقین ہو گیا۔ چنانچہ اُس نے واپس آکر
قریش سے کہا کہ مسلمانوں کو عمرہ کرنیسے نہ روکیں۔ اس بدّو سردار کے قول کا قریش پر
کچھ اثر نہ ہوا وہ باوجود اس علم کے کہ مسلمانوں کا ارادہ نیک ہے برابر اپنی ہی ہٹ پر مصر رہے
بدّو سردار یہ دیکھکر برافروختہ ہو گیا اور قسم کھائی کہ اگر قریش نے اب بھی آنحضرت صلعم کو
زیارت کعبہ سے باز رکھا تو مَیں اپنے بدّوؤں سمیت اُنکا ساتھ چھوڑ دونگا۔ اس دھمکی سے قریش کو
کسیقدر ہوش آگیا اُنکے غضب کی آگ دھیمی ہو گئی اور اس بدوی سردار سے کہنے لگے کہ
"تم اُسوقت تک انتظار کرو جبتک ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مناسب عہد و پیمان کرلیں"
پھر انہوں نے اپنے ایک سردار سہیل نام کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد و پیمان کرنے
کے لیئے بھیجدیا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی صلح صفائی کے ارادوں سے
آئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے ارادہ کو پورا کرنیکی خاطر قریش کو صلح کی تجویز کرنے پر
مجبور کیا تھا چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کیلئے بالکل تیار تھے کہ جس طرح ہو سکے صلح و
صفائی کرلیں اسلیئے آپ نے تمام شرائط کو تسلیم کر لیا جو قریش کے قائم مقام نے حضورؐ کے سامنے
پیش کیں۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عہد نامہ لکھنے کا ارشاد
فرمایا اور خود لکھانا شروع کیا ابھی حضور صلعم نے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" ہی لکھایا تھا کہ سہیل
بول اُٹھا کہ ٹھہرو اللہ کا نام تو ہم جانتے ہیں مگر ان نئے ناموں یعنی رحمٰن و غیرہ سے ہم
ناآشنا ہیں آپ اُسی طرح کہیں جس طرح ہم ہمیشہ سے کہتے ہیں یعنی "بسمک اللھم" حضرت

نبی کریم صلعم نے اس بات کو مان لیا اور فرمایا اچھا اسی طرح سہی اور پھر لکھنا شروع کیا "بسمک اللھم یہ شرائط صلح مابین محمد رسول اللہ اور ...." اب یہاں پر سہیل نے پھر روکدیا اور کہا اگر ہم تمھارے دعوٰے رسالت کو تسلیم کر لیتے تو پھر تمکو کعبہ سے کیوں روکتے اور تم سے لڑائی کیوں کرتے آپ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیئے اور بس۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بھی مان لیا اور فرمایا اچھا اسی طرح لکھیئے۔

"یہ شرائط صلح مابین محمدؐ بن عبداللہ اور سہیل بن عمر کے قرار پائے ہیں" اور جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طرفدار ہونا چاہتے اُسے بھی آزادی ہوگی اگر کوئی شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف جائیگا تو اُسکو واپس کرنا پڑیگا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کی طرف چلا جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائیگا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو امسال شہر میں داخل ہونیکے بغیر ہی لوٹنا ہوگا اور آیندہ سال اُسکو مع متبعین کے مکہ میں آنے اور تین روز تک ٹھہرنے کی اجازت ہوگی اور اس تین یوم کے عرصہ میں قریش شہر کو مسلمانوں کے لیئے خالی کر دینگے۔ لیکن یہ اجازت نہ ہوگی کہ مسلمان اپنے ساتھ کوئی ایسا ہتھیار لائیں جسکی حجاج کو ممانعت ہو یعنی سوائے ایسی تلوار کے جو میان میں ہو اور کسی قسم کے آلہ حرب کی اجازت نہ ہوگی" اس عہدنامہ پر فریقین کے دستخط ثبت ہوگئے اور اصلی عہدنامہ تو آنحضرت صلعم کے پاس رہا مگر اُسکی ایک نقل قریش کو دے دی گئی۔

(حاشیہ: جو وہ ایسا کر سکے زمین آزاد ہوگا اور جو شخص قریش کا طرفدار رہنا چاہے)

مومنین کیلیئے ابتلا اس عہدنامہ کی شرائط پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو کمال درجہ کا رنج ہوا کیونکہ اُنکے نزدیک ایسی شرائط قرار پا جانا پرلے درجہ کی ہتک تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگرچہ آنحضرتؐ کا بہت زیادہ ادب کرتے تھے مگر اُن سے ضبط نہ ہو سکا اور حضرت نبی کریمؐ کو بدیں الفاظ مخاطب کیا "یا رسول اللہ! کیا آپ خدا کے سچے نبی نہیں ہیں؟ کیا ہم راستی پر نہیں ہیں؟ اور کیا ہمارے دشمن گمراہ اور غلطی پر نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سوالات کے جواب میں فرمایا "بے شک میں خدا کا رسول ہوں ہم راستی پر ہیں اور ہمارے دشمن غلطی پر ہیں میرا مولا اکیلا ہی میری مدد کریگا اور مجھے تنہا نہیں چھوڑے گا

مَیں اُسکی حکم عدولی نہیں کر رہا ہوں"

غرض صحابہ کرامؓ کو اسقدر غم تھا کہ جب آنحضرت صلعم نے اُنکو اپنے جانور ذبح کرنے اور سر منڈانے کا حکم دیا تو اس رسم کے ادا کرنیکے لیئے کوئی بھی نہ اُٹھا اُن سب کی تو شرم کے مارے جان ٹوٹ رہی تھی۔ اور جبتک حضرت نبی کریم صلعم نے اپنے حکم کا تین دفعہ اعادہ نہ کیا اور خود جانور ذبح کرنے اور حجامت بنوانے کے لیئے نہ اُٹھ کھڑے ہوئے اُسوقت تک کوئی صحابی نہ اُٹھا وہ رنج والم میں اسقدر منہمک تھے کہ حجامتیں بناتے وقت قریب تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کر دیتے (زاد المعاد)

ناظرین! حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیئے کہ کسقدر امن کے خواہاں ہیں کہ محض صلح کرنیکی خاطر اس امر کی بھی پروا نہیں کی کہ صحابہؓ ناراض ہوتے ہیں۔ اور جب دشمن صلح کی تجویز پیش کرتا ہے تو محض صلح کی خاطر اُس کی ہر ایک پیش کردہ شرط کو........

........قبول کرنے کے لیئے تیار ہیں اگرچہ وہ شرائط بظاہر اپنے اندر ایک ہتک کا رنگ رکھتی ہیں یہانتک کہ صحابہؓ بھی ابتلا میں آ گئے۔

یہاں پر شائد کسی کو یہ خیال آجائے کہ قریش سے ڈر کر ان شرائط پر صلح کر لیگئی ہوگی اسلیئے ہم قریش کی اصل طاقت کا اس جگہ اظہار کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ بدّو سردار نے سفارت سے لوٹکر قریش کو دھمکی دی تھی کہ اگر تم اب بھی مسلمانوں کو روکوگے تو مَیں اپنے آدمیوں کو لیکر تم سے علیحدہ ہو جاؤنگا اور اس دھمکی کا ہی نتیجہ تھا کہ قریش صلح کر لینے پر آمادہ ہو گئے۔ پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ بیرونی امداد کے بغیر قریش میں یہ طاقت نہ تھی کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرتے۔ اب قریش کی طاقت پیشتر کی نسبت بہت کمزور ہو چکی تھی اور وہ اپنے مددگاروں پر ایسا بھروسہ نہیں کر سکتے تھے جیسا کہ غزوہ خندق سے پہلے اُنکو بھروسہ تھا۔ اسلیئے اُنکو سوائے صلح کے کوئی چارہ نہ تھا۔ برعکس اسکے مسلمان اس بات پر آمادہ تھے کہ اگر قریش اُنکو کعبہ کی زیارت سے روکنے پر مُصر رہے تو جنگ کرینگے لہٰذا یہی صلح کا دن اُنکے لیئے ماتم کا دن تھا۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح ہی کر لی کیونکہ آپ کی جو مقدس غرض تھی وہ اشاعت اسلام تھی اور جیسا کہ ہم پہلے بیان

کر چکے ہیں جس سرعت سے اسلام امن کے زمانہ میں ترقی کرتا تھا جنگ کے وقت ایسی تیزی سے ترقی نہیں کرتا تھا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوالات کے جواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں اللہ کا رسول ہوں اور میرا مولا ہی میرا واحد مددگار ہے۔ وہ میرا ساتھ نہیں چھوڑیگا اور میں تو اسی کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں" اس جواب سے آپ صحابہ کرامؓ کو یہ اطلاع دینا چاہتے تھے کہ اگر تم سب لوگ بھی میرا ساتھ چھوڑ دوگے تو بھی میرا رائی برابر نقصان نہ ہوگا کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور میرا مولا جسکے ارادوں کے ماتحت میں نے صلح کی ہے وہی میری مدد کرے گا۔ صحابہؓ کے لیے یہ موقعہ بڑے ابتلا کا تھا اور اگر انکو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر زبردست ایمان نہ ہوتا تو ایسے موقعہ پر وہ آپ کا ساتھ چھوڑ دیتے۔ اگر انکو اس نازک موقعہ پر کسی چیز نے سہارا دیا تو محض انکا پختہ ایمان تھا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ شکایت جناب صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس کی تو آخر الذکر نے یہ جواب دیا "یا عمر الزم غرزہ فانی اشھد انہ رسول اللہ یعنی اُسکی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی) رکاب کو مضبوطی سے پکڑے رہو کیونکہ میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ خدا کا رسول ہے" پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا پورا یقین ہی تھا جس نے اُن تمام خیالات کو دبا دیا جو کہ اس عہد نامہ کے باعث صحابہؓ کے دلوں میں بار بار اُٹھتے تھے گو اس عہد نامہ سے ظاہرًا ہتک نظر آرہی تھی تاہم وہ لوگ برابر آنحضرت صلعم کے مطیع و فرمانبردار رہے۔ انکے ایمان میں کوئی لغزش نہ آئی۔ جو ابتلا آنحضرت صلعم کے صحابہؓ کو پیش آیا وہ ایسا تھا کہ عربوں کی برداشت سے بالاتر تھا دشمن کی آنکھ میں ذلیل ہونیکی نسبت مرجانا انکے نزدیک زیادہ آسان اور سہل بات تھی وہ کعبہ کی زیارت سے روکے گئے۔ اس لمبے سفر کا جو مدعا تھا وہ حاصل نہ ہوا اور مزید برآں اُنہوں نے اپنی آنکھوں سے دشمنوں کے ساتھ ایسا معاہدہ ہوتے دیکھا جو اُنکی نظر میں قابل شرم تھا تاہم اس ظاہری ہتک اور تکلیف سے اُنکے ایمان میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ اور اُنہیں سے ہر ایک نے اپنے نفس کو وہی لفظ سنائے جو ابوبکر صدیق نے حضرت فاروق سے کہے تھے یعنی "اُسکے رکاب کو

مضبوط پکڑے رہو کیونکہ میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ خدا کا رسول ہے۔ سبحان اللہ صحابہ کرامؓ کا بھی کیا ہی ایمان تھا اور کیسے پاکباز لوگ تھے کہ کوئی ابتلا کوئی ذلت اور تکلیف اُنکے ایمان کو جنبش نہیں دے سکتی تھی سچ تو یہ ہے کہ جیسا کامل نبی تھا ویسے ہی کامل صحابی تھے دوسرے انبیاءؑ کی زندگی میں یہ نمونے اور مثالیں مفقود ہیں۔ آنحضرت صلعم پر جبر اور زیادتی کا الزام دینے والوں کے گھر کا حال دیکھیں تو خیر سے لگا پاکر کل بارہ حواری اور انہوں نے بھی مصیبت کے وقت اپنے خداوند کی بات نہ پوچھی۔

حضرت نبی کریمؐ کی صداقت کا ایک ثبوت

اس عہد نامہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک اور ثبوت ملتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی مکار شخص ہوتا تو اُسکے لیے ضروری تھا کہ اپنے پیرووں کی خواہشات پر چلتا اور ایسا راہ اختیار نہ کرتا جس سے اُسکی تمام جماعت کے برگشتہ ہوجانیکا اندیشہ ہوتا اور عمر بھر کی کمائی ایک ہی دن میں برباد ہوجاتی یہ یقینی بات ہے کہ اگر کوئی جھوٹا دعویدار ایسا اپنے مریدین کے خلاف منشا کرتا تو اُسکی تمام جماعت فورًا اُسی جگہ اسکا ساتھ ترک کر دیتی۔ جھوٹے انسان میں یہ جرأت کہاں ہو سکتی ہے کہ اپنے متبعین کی متحدہ خواہش کے خلاف ہو کر ایسا کام کر گذرے جو انکی عزت پر حرف لائے۔ اس معاہدہ کی شرائط مسلمانوں کو نامناسب ہی نہیں بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے نبوت کے بظاہر خلاف شان بھی معلوم ہوئیں۔ لیکن آنحضرت صلعم نے صحابہؓ کی خواہشات کا ذرا بھر بھی خیال نہ فرمایا اور نہ ہی اس بات کی پروا کی کہ وہ لوگ آپکے اس فعل کی نسبت کیا کہیں گے بلکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وہی کیا جو اللہ تعالیٰ نے آپکے دل میں ڈالا اور جسکی نسبت آپ کو یقین تھا کہ یہی خدائے تعالیٰ کی رضا کی راہ ہے حضرت نبی کریم صلعم کو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مدنظر تھی اور اسکو خوش کرنیکے لیے آپ کو نہ کسی کی ناراضگی کا خوف تھا اور نہ ہی کسی کے قطع تعلق کر لینے کا ڈر تھا۔ اور جو الفاظ آپنے صحابہؓ کے سوالوں کا جواب دیتے وقت فرمائے تھے وہ صرف ایسے ہی مُنہ سے نکل سکتے تھے جسکا محض اللہ کی ذات پر بھروسہ ہو اور وہ کسی انسانی امداد پر اپنی کامیابی کا انحصار نہ سمجھتا ہو۔ ناظرین! کسی جھوٹے دعویدار کا یہ حوصلہ کہاں ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کے سامنے جو

اُسکے ظاہر و پوشیدہ حالات سے کماحقہ واقف ہوں یہ الفاظ کہے کہ "میں اللہ کا رسول ہوں" پھر ایک مکّار اور جھوٹے شخص کو یہ جرأت کہاں ہو سکتی ہے کہ اپنے خاص الخاص ساتھیوں کو عین ابتلا کے وقت جبکہ اُنکے دلوں میں مختلف خیالات کا اوتار چڑھاؤ موجیں مار رہا ہو یہ الفاظ کہدے کہ "وہی مولا میرا اور مددگار ہے اور (تم خواہ سب کے سب مجھ سے علیحدہ ہو جاؤ) وہ میرا ساتھ نہیں چھوڑیگا" (زاد المعاد)۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمادیا تھا کہ "میں ایسا کرنے میں اپنے مولا کی حکمعدولی نہیں کر رہا ہوں" اسکا باعث خدائے تعالیٰ کا مفصلہ ذیل صریح حکم تھا چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۔ هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور اگر وہ (دشمن) صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھ (یعنی اس بات کا خوف نہ کر کہ شاید صلح کر کے دشمن تجھے دھوکہ دیدے) تحقیق خدائے تعالےٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اور اگر دشمن تجھے دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو تحقیق اللہ تعالےٰ تیرے لیئے کافی ہے۔ وہی اللہ جس نے اپنی نصرت سے تیری مدد کی اور مومنوں کی ایک جماعت تجھے دیکر تیری تائید کی (انفال ۸)

اب ایک طرف تو قریش کی طاقت اور اُنکا جتھا بہت کمزور ہو چکا تھا اور اسلیئے وہ صلح پر رضامند ہو گئے تھے اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اُنکی درخواست مان لینے کا الٰہی ارشاد تھا اسلیئے آنحضرت صلعم نے انکی تجویز کردہ شرائط کو ہی منظور فرمالیا اور یہ محض اسوجہ سے کہ ارشاد الٰہی کی تعمیل ہو جائے۔ اگر اسوقت دشمن کی پیش کردہ شرائط کو نہ مانا جاتا تو وہ صلح پر رضامند نہ ہوتے لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس موقعہ کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہتے تھے اسلیئے آپ نے صلح کی خاطر ہر ایک شرط کو قبول کر لیا۔ آنحضرت صلعم کی نظر میں صلح سے بڑھکر کوئی اور قیمتی بات نہ تھی اور اس امن کے مقابل وہ نقصانات بالکل ہیچ تھے جنکے امکان کا احتمال دشمن کی تجویز کردہ شرائط کے منظور کر لینے پر تھا۔ پس صلح حدیبیہ اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امن پسند طبیعت رکھتے تھے اور یہ کہ

آپ اپنے دعویٰ میں صادق تھے۔ مزید برآں آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل اور پورا بھروسہ تھا آپنے گھبرا کر مسیح کی طرح یہ نہیں کہا ایلی۔ ایلی لما سبقتنی بلکہ ہر دفعہ یہی فرمایا "میرا مولا ہی میرا اکیلا مددگار ہے اور وہ میرا ساتھ نہیں چھوڑیگا" اس مقابلہ اور موازنہ پر دل ہاتھوں اُچھلتا ہے اور بے اختیار مُنہ سے نکلتا ہے ان اللہ وملائکته یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما۔

قریش کی زیادتی کا ثبوت

صلح حدیبیہ کے واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قریش کی طرف سے ہی ابتدائے جنگ ہوئی تھی۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ قریش کے وکیل نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ واللہ لو کنا نعلم انك رسول الله ما صددناك عن البیت وما قاتلناك (زاد المعاد) "اللہ کی قسم اگر ہم تمہارے دعوائے نبوت کو مانتے تو ہم تمکو خانہ کعبہ کی زیارت سے کیوں روکتے اور تم سے کیوں جنگ کرتے"۔ اب ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے بانی مبانی قریش ہی تھے اور اُنکا آنحضرت صلعم سے برسرِ پیکار ہونے کا سبب محض یہ تھا کہ آپ (صلعم) نے دعوائے نبوت کیا تھا۔ یا یُوں کہو کہ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سبب سے نہیں لڑے کہ آپنے اُنکے خلاف تلوار اُٹھانے میں ابتدا کی جیسا کہ ہمارے معترضین کا خیال ہے بلکہ وہ اس وجہ سے برسرِ پرخاش ہوئے تھے کہ اُنکو آنحضرت صلعم کے دعاوی سے نفرت تھی اور وہ آپ اور آپکے پیروؤں کو نیست و نابود کرنا چاہتے تھے۔ اس میں وہ ٹھیک اُن لوگوں کے نقش قدم پر چل رہے تھے جنہوں نے پہلے انبیاءؑ کی مخالفت کی تھی ہاں فرق تھا تو یہ کہ جس طرح قریش کا نبی سب نبیوں سے افضل اور برتر تھا اسی طرح اُنکی دشمنی اور مخالفت بھی اپنی نظیر آپ تھی ہجرت کے بعد جو جنگ شروع ہوا وہ اسی مخالفت کے تسلسل میں تھا یعنی اُسی عداوت کا ایک حصّہ تھا جو ہجرت سے پیشتر جاری تھی۔ اور اُسکے لیے کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ اصل موجب وہی ایک تھا جسکے باعث مکّہ میں مسلمانوں کو تکلیف اور دُکھ پہنچایا جاتا تھا۔ اگر مکّہ میں مسلمانوں کی ایذادہی سے قریش کی غرض اسلام کی بیخکنی کے سوا کوئی اور نہ تھی تو اب مسلمانوں کے مدینہ میں پناہ لینے کے بعد جو اُنہوں نے مسلمانوں کے برخلاف ہتھیار

اٹھائے تھے اسکی غرض بھی سوائے اسلام کی بیخکنی کے اور کچھ نہ تھی - اصل بات یہ ہے کہ موجودہ جنگ اُسی دشمنی اور ایذادہی کے سلسلہ میں تھی جسکا آغاز مکّہ میں ہی ہو چکا تھا - قریش کے وکیل سہیل نے عہد نامہ کی شرائط طے کرنیکے وقت مسلمانوں کو زیارت کعبہ سے روکنے اور اُنسے جنگ کرنیکا جو باعث بیان کیا وہ صرف ایک ہی بتلایا یعنی آنحضرت صلعم کا دعوئے نبوت پس اگر قریش مسلمانوں کو خانہ کعبہ کی زیارت سے روکنے میں راستی پر تھے تو مسلمانوں سے اُنکا جنگ بھی راستی پر مبنی کہلا سکتا ہے لیکن اگر ایک فعل انصاف سے بعید ہے تو دوسرے کے غیر منصفانہ ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے - ہمیں کوئی افسوس ہے تو یہ کہ قریش خود تو اپنی ایذادہی کا سبب اسلام سے عداوت بتلائیں مگر مدعی سست گواہ چست کے مصداق بنکر ہمارے عیسائی معترضین قریش کو حفاظت ذاتی کے لیئے لڑنے والے ظاہر کرتے ہیں ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ ہر ایک لڑائی میں جو قریش اور مسلمانوں کے مابین ہوئی حضرت نبی کریم صلعم ہمیشہ دشمنوں کی زیادتی کے شاکی رہے - بدر - اُحد اور محاصرہ مدینہ کے موقعوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خیالات کا جن دردانگیز اور مؤثر الفاظ میں اظہار فرمایا اُنسے قریش کے جبر اور زیادتی کا بخوبی پتہ چل جاتا ہے - مثلاً بدر کے موقعہ پر جب سرداران قریش کی مردہ لاشوں پر آنحضرت صلعم کی نظر پڑی تو آپنے فرمایا " بئس عشیرۃ النبي کنتم لنبیکم کذبتمونی وصدقنی الناس واخرجتمونی و اٰوانی الناس وقاتلتمونی ونصرنی الناس (ابن ہشام) " تم اپنے نبی کے بُرے رشتہ دار تھے تم نے مجھے جھٹلایا اور غیروں نے میری تصدیق کی - تم نے مجھے نکالا اور دوسروں نے مجھے جگہ دی تم نے میرے ساتھ جنگ کی اور دوسروں نے آکر میری مدد کی "

پس قریش اور آنحضرت صلعم کی شہادتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جنگ کی ابتدا قریش کی طرف سے ہوئی اور یہ کہ قریش محض اسلام کی عداوت کے باعث جنگ کرتے تھے - لیکن ہمارے آج کل کے مسیحی معترضین کو اُن باتوں کے جاننے کا دعویٰ ہے جنکا علم نہ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا اور نہ ہی قریش کو اُنکی کچھ خبر تھی اور جنگ کے وہ وہ اسباب گھڑتے ہیں جو قریش کے خواب میں بھی نہ آئے ہونگے -

قریش نے صلح کیوں کر لی

اب قریش نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمانوں کی جماعت خاصی طاقتور ہے اور اُنکا قلع قمع کر دینا اب اُنکی طاقت سے باہر ہے۔ اُنہوں نے مسلمانوں کے برباد کرنیکی کوشش میں ناخنوں تک زور لگایا تھا لیکن وہ ہمیشہ ناکام و نامراد ہی رہے۔ جب مسلمان تھوڑے اور کمزور تھے تو اُنہوں نے بدر کے مقام پر مکّہ کی فوج سے ہی اُن کو کچل ڈالنا چاہا تھا مگر جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی اور فوج مکّہ سے قریش کا مدعا پورا ہونا محال ہوگیا تو اُنہوں نے ایک تو اپنے مددگار بُلالیئے اور دوم صحرائی قبائل سے مدد مانگی اور اس بڑی فوج کے ساتھ مسلمان مہاجرین کو نیست و نابود کر دینے کے ارادہ سے مدینہ پر چڑھائی کی۔ اُنکی یہ کوشش بھی خاک میں مل گئی اور اب وہ اسلام کا خاتمہ کر دینے سے مایوس ہو گئے۔ مگر اُنکا تکبّر و غرور تاحال پورے طور سے نہیں ٹوٹا تھا۔ اسلیئے جب مسلمان عمرہ کرنیکے لیئے مکّہ کو گئے تو اُنہوں نے قرب و جوار کے بدوؤں کی امداد سے اُنکو روکدیا۔ اور کہا کہ ہم مسلمانوں کو بلا روک ٹوک شہر میں داخل ہونیکا موقعہ دیکر عربوں کی نظر میں ذلیل نہیں ہونا چاہتے۔ دراصل وہ اب اسلام کی روزانہ کامیابی اور اپنی طاقت کے تنزّل سے بخوبی آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ مسلمان ہمیشہ کے لیئے کعبہ کی زیارت سے روکے نہیں رہ سکتے اسی وجہ سے اُنہوں نے کہا کہ آپ لوگ اب کے سال تو واپس ہو جائیں اور آیندہ سال آکر عمرہ کریں۔ خیال یہ ہے کہ قریش اب مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور اسی وجہ سے اُنہوں نے یہ موقعہ غنیمت سمجھا اور صلح کا عہدنامہ کرلیا۔ مگر اس عہدنامہ سے بھی صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اُنکی غرض ہمیشہ یہی تھی کہ اسلام کی اشاعت نہ ہو۔ چنانچہ اُنہوں نے جو شرائط صلح کیئے اُنمیں یہ بھی شرط تھی کہ "اگر کوئی قریش مسلمان ہو جائے تو اُسکو واپس کر دینا ہوگا اور اگر کوئی مسلمان قریش سے جا ملے تو اُسکو واپس نہ کیا جائے گا"۔ ایسی شرائط کرنیسے اُنکا صاف یہ منشا تھا کہ نو عمر لوگ مسلمان ہونیسے رک جائیں۔ اس طرح اگرچہ وہ برائے نام صلح کا معاہدہ کر رہے تھے مگر اُنہوں نے اسلام کی دشمنی کو تاحال اپنے سے جدا نہیں کیا تھا۔ بے شک اب اُنکی طاقت کمزور ہو گئی تھی مگر جس بات کو اب وہ زور اور طاقت سے حاصل نہیں کر سکتے تھے اُسکے حصول کے لیئے اب اُنہوں نے امن اور صلح کا بھیس بدل لیا تھا۔ اگرچہ اُنکی کمزوری نے اُنکو ظاہراً صلح

کر لینے پر مجبور کیا تھا لیکن وہ دل میں اسلام کے برابر ایسے دشمن تھے جیسا کہ پہلے تھے۔

لوگوں کا برضا و رغبت اسلام لانا۔ صلح حدیبیہ کی شرائط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم نے مسلمان کرنیکے لیئے کبھی جبر سے کام نہیں لیا۔ اگر آپ لوگوں کو جبرًا مسلمان کیا ہوتا تو اب چاہیئے تھا کہ سہیل کی پیش کردہ تجاویز کو نہ مانتے کیونکہ عہد نامہ کی رُو سے ہر شخص کو اجازت تھی کہ مُرتد ہو کر قریش سے جا ملے۔ ایسے شخص کو قریش کے ہاں امن بھی ملتا اور پھر مسلمان اُسکو معاہدہ کے رو سے واپس بھی نہیں لے سکتے تھے۔ پس اگر کسی شخص کو جبرًا مسلمان کیا ہوتا تو اُسکے لیئے یہ نہایت ہی عمدہ موقعہ تھا کہ اپنے پُرانے مذہب کی طرف دوبارہ رجوع کر لیتا۔ اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جبرًا مسلمان کرنے کیلیئے جنگ کیا تھا تو اب تو کوئی جنگ بھی نہ تھا اور نہ کوئی امر اُنکو اپنے پُرانے مذہب میں واپس جانیسے روک سکتا تھا۔ پھر اگر جبر کی مضبوط زنجیر سے اُنکو اسلام کے ساتھ جکڑا گیا تھا تو اب یہ زنجیر بھی کھول دیگئی تھی اور اُنکے لیئے عمدہ موقعہ تھا کہ اسلام سے ارتداد کر کے فورًا اپنے آباؤ اجداد کے مذہب میں شامل ہو جائیں۔ اگر مسلمانوں کی ترقی محض لڑائی کے باعث ہی ہوئی ہوتی تو اب جبکہ آنحضرت صلعم اور آپ کے جانی دشمنوں کے درمیان صلح ہو چکی تھی ضرور مسلمانوں کی تعداد کم ہو جاتی مگر ایسا نہیں ہوا۔ صلح کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں کوئی کمی نہیں آئی برعکس اسکے اسلام نے بڑی سُرعت سے ترقی کرنی شروع کر دی اور اس طرح اس امر کی سچائی پر مُہر لگا دی کہ اسلام کی اشاعت کیلیئے لڑائی ہی ایک رُکاوٹ تھی اور جب یہ سدِ راہ دُور ہو گئی تو لوگوں نے جوق در جوق مسلمان ہونا شروع کر دیا۔

قریش کے مظالم کا ایک ثبوت اس صلح کے بعد جو واقعات پیش آئے اُنسے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زیادتی قریش کی طرف سے تھی نہ کہ مسلمانوں کی طرف سے۔ آپ دیکھیئے صلح ہو جانیکے بعد ہی قریش کی طرف سے مرد اور عورتوں نے آ آ کر مسلمان ہونا شروع کر دیا مگر مسلمانوں کا ایک متنفس بھی قریش کی طرف واپس نہیں ہوا۔ یہ واقعہ اس امر میں ذرہ بھی شک و شبہ نہیں چھوڑتا کہ ظلم کا ارتکاب ہمیشہ قریش کی طرف سے ہی ہوتا رہا۔ اور جنگ و جدل سے اُنکی غرض محض اشاعت اسلام میں روک ڈالنا تھا۔ کیونکہ صلح حدیبیہ

کے بعد ہی جبکہ لڑائی فساد بند ہوگیا اور اسلام لانیوالوں کے راستہ میں جو رکاوٹیں تھیں وہ دُور ہوگئیں تو جھٹ قریش کے مرد و عورتوں نے اسلام کی طرف آنا شروع کردیا۔ قریش خود بھی جانتے تھے کہ صلح کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام اور بھی ترقی کرے گا اور اسی امر کو روکنے کے لیئے اُنہوں نے یہ شرط رکھی تھی کہ "جو قریش کا آدمی مسلمانوں کی طرف آملے اُسکو قریش کے پاس لوٹا دینا ہوگا" مگر یہ شرط بھی قریش کی بدقسمتی سے کچھ ایسی کارگر ثابت نہ ہوئی۔ کیونکہ اگرچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب عادت معاہدہ کی اس شرط کی بھی سختی سے پابندی فرمائی اور مکہ سے آنیوالے نومسلموں کو اپنے ہاں لینے سے انکار کردیا مگر ان لوگوں نے واپس جانیکے بجائے ایک نئی جماعت قائم کرلی آخر قریش نے تنگ آکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں درخواست کی کہ عہدنامہ سے اس شرط کو نکال دیا جائے بس اب کیا تھا من مانی مرادیں مل گئیں اور نومسلموں نے جوق در جوق آکر مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ شامل ہونا شروع کردیا۔

اسلام کی تہ کرنے والی کشش جب سہیل حضرت نبی کریم صلعم سے شرائط صلح طے کر رہا تھا تو اُسکا بیٹا ابو جندل بھی وہیں آ گیا۔ یہ نوجوان اسلام لے آیا تھا اور اسکے باپ نے محض اسی جرم میں اُسکو زنجیروں میں جکڑ دیا تھا اور سخت سخت اذیتیں دیکر ارتداد پر مجبور کرنا چاہا تھا مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی محبت نے اُسکے ایمان میں ذرا بھی فرق نہ آنے دیا اور جونہی اُس نے دیکھا کہ اُسکا باپ باہر ہے فوراً مع زنجیروں کے بھاگ آیا۔ اور مسلمانوں سے پناہ مانگی۔ اُسکے باپ نے جب اُسکو دیکھا تو فوراً پکڑ لیا اور سخت زد و کوب کی اسپر وہ زور زور سے چیختا اور مسلمانوں سے مدد طلب کرتا تھا۔ مگر مسلمان اُسکی مدد نہیں کرسکتے تھے کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی شرائط معاہدہ کے باعث اُسکے باپ کے حوالے کردیا تھا۔ ناظرین! اگر انصاف کی آنکھ بینا ہو۔ اگر تعصب کا خمار کسی دماغ میں نہ ہو اگر کوئی دل صداقت پسند ہو تو اسی ایک واقعہ کو دیکھکر وہ بارہ یہ اعتراض نہ کرے گا کہ "اسلام بزور تلوار پھیلا" بلکہ اسلام کی پہلے درجہ کی کشش کی داد دے گا عجیب تر یہ بات ہے کہ جس شخص (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خاطر

ابوجندل نے یہ سب دُکھ اور مصائب اُٹھائے اور ناقابل بیان سختیاں جھیلیں اب وہی اُسکو لینے اور پناہ دینے سے انکار کرتا ہے۔ اب اُس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ حضور! میں نے اپنے ایمان کی خاطر بڑی بڑی صعوبتیں اُٹھائی ہیں اسلیئے میری درخواست ہے کہ مجھے پناہ دیجاوے مگر آپ نے عہدنامہ کا لحاظ فرماکر صاف انکار کردیا۔ اُس نے باربار الحاح ومنت سے حفاظت اور پناہ کی درخواست کی مگر اُسکو پھر اُنہی ہاتھوں میں دیدیا گیا جنسے بمشکل تمام اُسے بھاگ کر رہائی ہوئی تھی۔ آہ۔ غریب ابوجندل اُنہیں آنکھوں کے سامنے چابکوں سے پٹ رہا تھا جنکی خاطر اُس نے یہ سب دُکھ برداشت کیئے تھے۔ اور وہ مدد کے لیئے چیخ چیخ کر پکار رہا تھا مگر اُسکی حمایت کے لیئے ایک ہاتھ بھی نہ اُٹھا تاکہ اُسکے بے رحم باپ کے ہاتھ سے اُسکی مخلصی کراتا۔ مگر کیا اس سے ابوجندل کے ایمان میں کمزوری آگئی؟ کیا اس انکار کے بعد اُسکے دل سے اسلام کی محبت نکل گئی؟ نہیں نہیں ذرہ بھی نہیں۔ نہ اُسکے باپ کی سختی نے اور نہ ہی مسلمانوں کے انکار نے اسپر کوئی بُرا اثر کیا۔ وہ واپس تو چلا گیا مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد پھر بھاگ آیا یعنی صلح حدیبیہ کے چندہی روز بعد مکّہ سے بچکر نکل آیا۔ اور اُن مسلمان بھائیوں کے ساتھ شامل ہوگیا جو اُسکی طرح مکّہ سے بھاگ کر ایک خاص مقام پر جمع ہوگئے تھے کیونکہ مدینہ میں اُنکو عہدنامہ کے مطابق جگہ نہیں ملتی تھی۔

ابوجندل کی داستان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قریش جس طرح مسلمانوں کو ہجرت سے پہلے ایذا دیتے تھے اُسی طرح مکّہ کے مسلمانوں کو ہجرت کے بعد بھی ایذا دیتے رہے اور جس صبر و استقلال سے ابوجندل نے مصائب کو برداشت کیا اور باوجود آنحضرت صلعم کے انکار کردینے کے برابر آپ کا حلقہ بگوش غلام بنا رہا اُس سے اسلام کی طاقت اور آنحضرت صلعم کی صداقت کا ایک بیّن ثبوت ملتا ہے۔ دلوں کی جو تسخیر اسلام کی تھی وہ واقعی اپنی نظیر آپ تھی مگر اسپر بھی ہمارے مسیحی مہربان برابر یہ کہے جاتے ہیں کہ اسلام کسی اندرونی قوت سے نہیں پھیلا بلکہ بزور شمشیر اسکی اشاعت ہوئی ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا تلوار اس سے بڑھکر فتوحات حاصل کرسکتی ہے؟ جسقدر کہ اسلام نے عرب کے لوگوں کے درمیان حاصل کی تھیں اور کیا بزور شمشیر

دلوں پر اسقدر تسلط ہو سکتا ہے؟ جسقدر کہ اسلام کی مخفی طاقتوں نے عربوں کے قلوب پر حاصل کر لیا تھا۔

اسلام کی قوت جاذبہ کے متعلق میور کی اپنی شہادت

اگرچہ ولیم میور صاف الفاظ میں یہ بات تسلیم نہیں کرتا کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا بلکہ اشاعت اسلام کا موجب اسکی زبردست اندرونی طاقت تھی تاہم اُس کے مفصلہ ذیل الفاظ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام کی اشاعت کیلیئے امن کا زمانہ نہایت مفید تھا۔ اور اس طرح اُسکے الفاظ عملاً اس اعتراض کا خود بخود دفعیہ کر دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مذہب کی اشاعت کے لیئے تلوار اُٹھائی صلح حدیبیہ کی شرائط کے منظور کر لینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا غرض تھی اسپر بحث کرتے ہوئے میور لکھتا ہے کہ "دس سال کے امن سے نئے مذہب کو ملک میں پھیلنے اور قریش کو اپنی سچائی کا یقین دلانیکے لیئے نہایت عمدہ موقعہ مل سکتا تھا" (صفحہ ۳۴۸)

میور کی رائے میں صلح حدیبیہ کا یہی بڑا سبب تھا اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے بظاہر ایسی نامناسب شرائط پر صلح کر لی تھی اس سے صاف صاف مفصلہ ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

(۱) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبوراً لڑنا پڑا اگر آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ کبھی جنگ کی طرف مُنہ بھی نہ کرتے۔

(۲) یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاعتِ اسلام کے لیئے لڑائی نہیں کی کیونکہ لڑائیوں کے وقت ہی اسلام کی اشاعت رُکی رہی۔

(۳) یہ کہ اگر کوئی لڑائی فساد نہ ہوتا بلکہ امن کا زمانہ ہوتا تو اسلام بہت بڑی ترقی کر لیتا۔

(۴) یہ کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔

(۵) یہ کہ اشاعتِ اسلام کیلیئے امن سے بڑھکر کوئی اور وقت زیادہ موزون نہین۔ اور امن کے زمانہ میں جنگ کے وقت کی نسبت یقیناً کئی گنا زیادہ ترقی ہو سکتی ہے۔

پیارے ناظرین! میور کا اپنا اقرار ہمکو مذکورہ بالا نتائج پر پہنچاتا ہے اور ہمارے نزدیک مسلمانوں پر

زیادتی اور جبراً اسلام پھیلانے کا الزام ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لگانے والوں کا مُنہ بند کرنیکے لیئے اس سے زیادہ زبردست کوئی اور حربہ نہیں ہو سکتا۔ اور واضح ہو کہ جس طرح خاک ڈالنے سے چاند نہیں چھپ سکتا اس طرح سچائی بھی اپنا رنگ لائے بغیر نہیں رہ سکتی اور کسی نہ کسی شکل میں ضرور ظاہر ہو جاتی ہے اب آپ ہی ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے میور جیسے دشمن کے قلم سے کیا کیا الفاظ لکھوا دیئے ہیں مذکورہ بالا اقتباس تو آپنے پڑھ ہی لیا اب اور دیکھیئے کہ وہی دشمن اسلام کس طرح ذیل کے الفاظ میں اسلام اور مسلمانوں کے صدق اور راستی کا ثنا خواں ہے وہ لکھتا ہے کہ "حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے پیروؤں کی وفاداری اور اسلام کی زبردست کشش کا اسقدر کامل یقین تھا کہ اس فقرہ کے اندراج سے کہ مرتدین کو واپس نہ کیا جائیگا آپکو کسی قسم کے بُرے اثر کا قطعاً خوف نہ ہوا" کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہزاروں آدمی جو ابتک مسلمان ہو چکے تھے وہ کسی دنیوی طمع یا سزا کے خوف سے اسلام نہیں لائے تھے بلکہ دینِ حقہ کی طاقتور کشش انکو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ اطاعت میں کھینچ لائی تھی۔ اب جنگ چھڑے ہوئے بھی چھٹا سال کا عرصہ گذر گیا تھا اور اگرچہ اشاعتِ اسلام کے لیئے لڑائی کا زمانہ نہایت ہی ناموزون تھا تاہم مسلمانوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی، جو میور کے قول کے مطابق سب کے سب بڑے صادق مسلمان تھے اور اُنکو جس چیز نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ غلامی میں داخل کیا تھا وہ اسلام کی طاقتور کشش تھی۔

کھُلی کھُلی فتح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو غرض اس صلح سے تھی اُسکا صحیح صحیح اندازہ میور نے خوب لگایا ہے۔ میور کے قول کے مطابق حضرت نبی کریم صلعم کو اسلام کی فتح اور کامیابی امن کے زمانہ میں ہی نظر آتی تھی اور اسی لیئے آپنے باوجود صحابہؓ کی ناراضگی کے ایسی شرائط پر صلح کر لی جو بظاہر گری ہوئی تھیں۔ عہدنامہ حدیبیہ کے بعد جو واقعات پیش آئے اُنسے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ قیاس فرمایا تھا وہ بالکل صحیح تھا۔ دراصل بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے

اور خیالات منشائے ایزدی کے ماتحت تھے اور اسی لیئے اللہ تعالیٰ کا فضل اور تائید ہر وقت آپکے شامل حال ہوتے تھے۔ غرض شرائط صلح طے ہونیکے تھوڑی دیر بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام الٰہی کا نزول ہوا اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اس صلح کو بھی "فتح مبین" یعنی کھلی کھلی فتح فرمایا۔ میور لکھتا ہے کہ حدیبیہ سے واپس ہوتے وقت "ابھی پہلی ہی منزل طے کی تھی کہ مسلمان جلدی جلدی میدان کی ہر طرف سے اپنے اونٹوں کو ہانک ہانک کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہو رہے تھے اور ہر ایک کے لب پر یہ لفظ جاری تھے کہ "آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی نازل ہوئی ہے" پس اپنے اونٹ پر ہی کھڑے حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سورہ فتح تلاوت فرمائی جسکی ابتدا اس آیت سے ہوتی ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا یعنی ہم نے تجھ کو کھلی کھلی فتح عنایت فرمائی ہے جب اس تازہ وحی کو آنحضرت پڑھکر سنا چکے تو ایک شخص نے تعجب سے پوچھا کہ "آیا یہ فتح ہے" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اُس ذات کی قسم ہے جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہ واقعی فتح ہے" اور آخر ثابت بھی یہی ہوا۔

زُہری لکھتا ہے کہ "اس سے قبل اسلام کو ایسی نمایاں فتح کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی اور تمام موقعوں پر تو لڑائیاں ہوتی رہیں مگر یہاں لڑائی سے کنارہ کشی کرکے امن و امان سے ہم آغوشی اختیار کی گئی تھی اور اب ایک جماعت دوسری جماعت سے آزادی کے ساتھ ملتی اور بات چیت کرتی تھی اسلیئے بُت پرستوں میں سے کوئی بھی سمجھدار اور عقلمند شخص ایسا نہیں تھا جو اسلام کی طرف مائل نہ ہوگیا ہو۔ اور ٹھیک صلح کے بعد دو سال کے اندر ہی اندر اسقدر لوگ مسلمان ہوگئے جسقدر کہ پہلے کئی سالوں میں ہوئے تھے بلکہ یُوں کہیئے کہ اس سے بھی کہیں زیادہ لوگ اسلام لے آئے" (ابن ہشام) گو بعض لوگوں کو یہ بیان مبالغہ آمیز معلوم ہو لیکن اسکے ثبوت کے لیئے یہ امر کافی ہے کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کو تشریف لے گئے تو آپکے ساتھ پندرہ سو آدمی تھے مگر دو سال بعد جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو آپکے ساتھ دس ہزار قدوسیوں کی جماعت تھی۔

آہ - جو لوگ اسلام پر تلوار سے پھیلنے کا الزام لگاتے ہیں وہ ان واقعات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور انکی آنکھوں پر ایسا تعصب کا پردہ پڑ جاتا ہے کہ وہ صاف صاف اور صریح واقعات پر بھی نظر نہیں ڈال سکتے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جو مذہب زمانہ امن میں حیرت انگیز ترقی کر سکتا تھا اور جسکی اشاعت کے لیئے جنگ کی نسبت امن زیادہ موزون تھا اُسکے پھیلانے کیلیئے پھر کسی تلوار کی کیا ضرورت تھی ؟ صلح حدیبیہ اور اسکے بعد امن کے دو سال میں اسلام کو جو کامیابی ہوئی اس سے ہمارے معترضین کو سبق حاصل کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی اشاعت کا موجب اُسکی اندرونی صداقت کا طاقتور اثر تھا نہ کہ کسی بیرونی تلوار کا زور۔

ابو بصیر کی داستان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کو واپس آنیکے تھوڑی دیر بعد ابو بصیر نام ایک نوجوان مسلمان مکّہ سے بچکر بھاگ آیا اور مدینہ آپہنچا قریش نے دو آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام خط دیکر روانہ کیئے اور مطالبہ کیا کہ اس نوجوان کو عہد نامہ کی شرط کے بموجب اُنکے حوالے کر دیا جائے۔ جب وہ خط آنحضرت صلعم کو پہنچا تو آپنے ابو بصیر سے فرمایا "اے ابو بصیر! تم جانتے ہو کہ ہم نے ان لوگوں سے عہد نامہ کیا ہوا ہے۔ ہمارا پاک مذہب عہد شکنی کی اجازت نہیں دیتا اللہ تعالےٰ تمھارے لیئے اور مکّہ کے دوسرے بیکس نو مسلموں کے لیئے کوئی اور راہ نکالدیگا پس تم اپنے لوگوں میں واپس چلے جاؤ" ابو بصیر نے عرض کی "کیا حضور مجھے ان بت پرستوں کے پاس واپس بھیجتے ہیں جو مجھے ہر طرح کی ایذا دیکر راہ راست سے برگشتہ کرنیکی کوشش کرینگے" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پھر فرمایا "جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمھارے لیئے اور دوسرے مظلوم مسلمانوں کے لیئے کوئی اور راہ نکالدیگا" پس وہ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ چارو ناچار روانہ ہو پڑا لیکن جب یہ لوگ ذو الحلیفہ پہنچے تو ابو بصیر نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک کی تلوار کھینچکر اُسے قتل کر دیا۔ اب دوسرا آدمی مارے ڈر کے بھاگ کھڑا ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آیا۔ ابو بصیر بھی اُسکے پیچھے پیچھے مدینہ آپہنچا اور آنحضرت صلعم کے حضور حاضر ہو کر عرض کرنے لگا "یا رسول اللہ آپنے تو مجھے ان لوگوں کے

سپرد کرکے اپنا عہد پورا کردیا۔ لیکن مینے بھی اپنے ایمان کی حفاظت کی ہے اور بُت پرستوں کے ہاتھ میں ایک کھلونا بننے اور اُنکی ایذائیں جھیلنے سے اپنے تئیں بچا لیا ہے"۔

ابو بصیر کا منشاء اس غرض سے یہ تھا کہ اب وہ آزادی سے مدینہ میں رہ سکتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کوئی الزام نہیں آسکتا کیونکہ آپ تو عہدنامہ کی شرائط کے پابند ہوکر اُسکو دشمنوں کے حوالہ کر ہی چکے تھے۔ مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکی ایک بھی نہ سُنی۔ آخر ابو بصیر نے دیکھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کبھی قریش کے سفیر آئیں گے تو آپ ضرور اُسے دوبارہ مکّہ والوں کے حوالہ کر دینگے اسلیئے وہ مدینہ سے چل کھڑا ہوا اور چونکہ مکّہ کی صعوبتیں ابھی اُسے یاد تھیں اسلیئے ساحل سمندر کے قریب ایک جگہ کی طرف چلا گیا۔ یہ خبر جلدی ہی مکّہ پہنچگئی اور دوسرے نومسلم جنہیں ابو جندل ابن سہیل بھی تھا اور جو کہ ابھی تک مسلمان ہونیکی وجہ سے ایذاؤں کا ہدف کا نشانہ بن رہے تھے مکّہ سے بچکر نکل گئے اور ابو بصیر سے جا ملے۔ اس طرح ابو بصیر اور اُسکے ہمراہیوں کی جماعت کی تعداد ستر تک پہنچگئی اور اُنہوں نے مکّہ والوں کے قافلوں کو روک کر اپنا گذارہ کرنا شروع کردیا۔ اس سے قریش بہت تنگ آگئے اور اُنہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں درخواست کی کہ ان نومسلموں کو مدینہ بلالیں اور عہدنامہ میں سے نومسلموں کو واپس کر دینے والا فقرہ خارج کردیں۔ آنحضرت صلعم نے اُنکی اس درخواست کو منظور فرمالیا اور یہ جماعت بھی مدینہ بلالی گئی۔

ہمارے مسیحی معترضین جو قریش کے مظالم پر ہمیشہ آنکھ بند رکھتے ہیں اور ہمیشہ اس تاک میں لگے رہتے ہیں کہ کوئی اعتراض کی جگہ ہاتھ آجائے ممکن ہے کہ اس موقعہ پر ابو بصیر اور اُسکے ساتھیوں کے فعل پر اعتراض کریں لیکن ایک منصف معترض اُنکے اس فعل کو قابلِ اعتراض نہیں ٹھہرا سکتا۔ بدیں وجہ کہ اگرچہ حضرت نبی کریم صلعم اور قریش کے مابین امن کا عہدنامہ ہوچکا تھا مگر ان نومسلموں کو کسی قسم کا امن نہیں دیا جاتا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ سہیل نے جو قریش کی طرف سے عہدنامہ کرنے کے لیئے آیا ہوا تھا شرائط صلح طے ہونیکے بعد ہی مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے اپنے بیٹے ابو جندل کو مسلمان ہونیکے جرم

ہیں نہایت بیدردی سے مارا۔ (زاد المعاد)

ہمارے ناظرین اس سے بیخبر نہیں کہ جب ابو جندل مسلمانوں کے ڈیرہ میں آیا تھا تو دست و پا بزنجیر تھا اور اُسنے بڑی منت والحاح سے درخواست کی تھی کہ اُسے اُسکے بے رحم باپ کے ظالمانہ سلوک سے نجات دلائی جائے۔ ابو جندل نے کیا قصور کیا تھا صرف یہ کہ مسلمان ہو گیا تھا۔ پھر ایک ابو جندل پر کیا موقوف ہے مکّہ کے ہر ایک غریب مسلمان کا یہی حال تھا۔ اگرچہ مکّہ میں مسلمانوں پر ناقابل برداشت مظالم توڑے جا رہے تھے مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ معاہدہ اُنکو پناہ نہیں دے سکتے تھے۔ اور جب کبھی وہ بھاگ کر مدینہ آتے تو قریش کی جانب سے مطالبہ ہونے پر اُنکو واپس کر دیا جاتا اور بیچاروں کو پھر پہلے سے بھی بڑھکر مشکلات اور تکالیف برداشت کرنی پڑتیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ابو بصیر نے کس طرح مکّہ والوں کے مظالم اور تکالیف سے بچنے کے لیئے آنحضرت صلعم کی خدمت میں درخواست کی تھی کہ اُسکو ان ظالموں کے ہاتھ میں دوبارہ نہ دیا جائے لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عہدنامہ کا پاس کر کے اسکی اس درخواست پر توجہ نہ فرمائی تھی۔ اب غور کا مقام ہے کہ ایک طرف تو محض اسلام لانے کی خاطر سے نومسلموں پر سختیاں کی جا رہی ہیں اور دوسری طرف حضرت نبی کریم صلعم عہدنامہ کا پاس کر کے ان لوگوں کو پناہ نہیں دے سکتے پھر یہ غریب سوائے اسکے اور کیا کرتے کہ مکّہ سے بھاگتے اور اپنے ظالم دشمنوں کے قافلوں کے مال پر گذارہ کرتے۔ مکّہ والوں نے اُنکو پہلے تو ہر طرح کی ایذائیں اور دُکھ دیئے اور ارتداد پر مجبور کرنا چاہا پھر اس پر بس نہیں کی بلکہ اُنکو مدینہ کے دینی بھائیوں سے بھی ملنے نہ دیا۔ پس اس طرح مکّہ سے بھاگ کر بھی اُنکو آرام میسّر نہ تھا اسلیئے انہوں نے جو کچھ کیا مناسب کیا اور آخر اُنپر ظلم توڑنے والوں کو مجبور ہونا پڑا کہ اس سختی سے باز آجائیں اور ان نومسلموں کو مدینہ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ شامل ہو کر رہنے کی اجازت دیں۔ اب یہاں میور صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کے الفاظ کو پورا کر دیا مگر اس بات کی کوشش نہ کی کہ مسلمانوں کو قافلوں کے روکنے سے باز رکھکر امن وامان کو ترقی دیتے اور یہ کہ ایسا کرنا معاہدہ کے رو سے آپ پر لازم بھی آتا تھا۔ یہاں ہمکو یہ دیکھکر صدمہ ہوتا ہے کہ

عیسائی معترض مسلمانوں کی تو ذرا ذرا سی بات پر گرفت کرنیکے لیئے تیار کھڑے رہتے ہیں
مگر اسلام کے دشمنوں کی نا ملائم حرکات کا ذرا بھی خیال نہیں کرتے ہم ولیم میور سے پوچھتے
ہیں کہ صلح کے بعد مسلمانوں کو مکہ میں جو دردانگیز ایذائیں دیگئیں کیا اُنکے ارتکاب سے قریش
امن و امان کو ترقی دے رہے تھے؟ اور کیا عہد نامہ کی رو سے اُنکو یہی لازم تھا؟ ایک
طرف تو قریش مسلمانوں پر برابر سختیاں کیئے جارہے تھے اور نہ اُنکو مکہ میں چین سے لینے
دیتے تھے نہ ہی مدینہ جاکر رہنے کی اجازت دیتے تھے اور دوسری طرف حضرت نبی کریم صلعم
کی طرف سے ان نومسلموں کو کوئی امداد نہیں پہنچ سکتی تھی پس ایسی حالت میں اُنکو حق پہنچتا
تھا کہ وہ اپنی مخلصی کی کوئی تدبیر کرلیتے۔ پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر ان مظلوموں
کی کوئی امداد نہیں ہوسکتی تھی تو آپ سے یہ بیرحمی بھی نہیں ہوسکتی تھی کہ اُنکو اپنی جان بچانے اور
آزادی حاصل کرنے سے روک دیتے۔ اگرچہ اس میں کلام نہیں کہ ابوبصیر۔ ابوجندل اور دوسرے
مسلمان مظلوم اور قریش ظالم تھے تاہم آنحضرت صلعم نے صرف عہد نامہ کا پاس کرکے انکی کوئی
امداد نہ کی۔ اور درد بھرے دل سے اپنے پیارے اور وفادار شاگردوں کو اپنے ہی حال پر
چھوڑدیا۔ لازم تو یہ تھا کہ اس صبر و تحمل بُردباری اور عہد کی پابندی کی تعریف کیجاتی۔
لیکن دشمن کی نظر میں تو ہر ایک خوبی بھی بڑا عیب ہوجاتی ہے اسلیئے میور صاحب آنحضرتؐ
پر اب بھی راضی نہیں بلکہ اُنکی خواہش ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریش کا
ساتھ دیدیتے اور غریب مظلوم مسلمانوں کو ایذا دلانے میں خود بھی ظالموں کے معاون
ومددگار ہوجاتے۔ آہ۔ یہ عیسائی معترض مکہ کے نومسلموں کی حالت کا اندازہ لگانیکی
ذرا بھی کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی اُسکو یہ خیال آتا ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب کی خاطر ظالموں
کے ہاتھوں سے ہر طرح کی اذیتیں اُٹھا رہے تھے اور قیدیوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے
پھر لطف یہ کہ اگر کوئی اس ناجائز قید اور مصیبت سے بچکر نکل جاتا تو بھاگ جانے کے بعد
بھی اُسکو مکہ والوں کے ظلم سے نجات نہیں مل سکتی تھی کیونکہ کسی کو اجازت نہیں تھی کہ
اُنکو پناہ دے۔ جب خود مدینہ کے مسلمان اُنکو پناہ نہیں دے سکتے تو اور کون اُنکو پناہ
دے سکتا تھا مکہ کے باہر بھی اُنکو اس طرح رہنا پڑتا تھا جیسا کہ ایک سلطانی مجرم گرفتاری کے

خوف سے بھاگا بھاگا پھرتا ہے نہ انکو مکہ میں امن تھا اور نہ اُنکو مکہ سے باہر امن سے زندگی بسر کرنیکی اجازت تھی۔ پھر ایسی صورت میں اگر اُنہوں نے اپنے ظالم شہر والوں کے قافلوں کو روک کر اُنکی بیجا تعدی سے نجات حاصل کرنیکی تدبیر کی تو کیا بُرا کیا۔ جو کچھ اُنہوں نے کیا خود قریش نے اُنسے کرایا اور اُنکی یہ تدبیر ایسی کارگر ہوئی کہ فوراً قریش نے اُنکو آزادی دیدی اور جب اُنکو امن سے مدینہ میں رہنے کی اجازت مل گئی تو پھر اُنہوں نے قافلوں کی مزاحمت بھی چھوڑ دی۔ یہ ایک نجات کی راہ تھی جو اُنہوں نے مجبوراً اختیار کی اور نتیجہ نے ثابت کردیا کہ یہی راہ تھی جس کے ذریعہ اُنکو نجات مل سکتی تھی۔ اگر غور کرکے دیکھا جائے تو بے ساختہ ابوبصیر اور اسکے ساتھیوں کے ایمان پر مرحبا کہنے کو جی چاہتا ہے اور اسلام کی زبردست اندرونی طاقت پر مزید روشنی پڑتی ہے مثلاً دیکھئے کہ ابوبصیر نے اپنے دین کی خاطر ہر طرح کی صعوبتیں اُٹھائیں اور آخرکار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھاگ کر پہنچا اور مدد کی درخواست کی لیکن وہاں سے صاف جواب ملا اور اُسکو پھر اُنہی ہاتھوں میں دیدیا گیا جنکے ظلم سے تنگ آکر وہ پہلے بھاگا تھا۔ وہ دوبارہ بچکر بھاگا اور پھر مدد مانگی مگر اب بھی اُسے پہلے کی طرح نفی میں ہی جواب ملا۔ لیکن کیا اس انکار سے اور بار بار کی تکلیف سے اسکے ایمان میں کوئی تغیر آیا؟ ہرگز نہیں۔ غور کا مقام ہے کہ جسکی خاطر یہ سب دُکھ جھیلے اور جسکی بدولت یہ مصیبتوں کا پہاڑ سر پر اُٹھایا۔ وہی اب مدد سے انکار کرتا ہے اور اسپر بس نہیں بلکہ دو دفعہ دشمنوں کے حوالہ کردیتا ہے مگر پھر ابوبصیر کو ذرا بھی لغزش نہیں ہوتی۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام کی نہایت ہی زبردست طاقت تھی اور اسی طاقت نے مسلمانوں کو ایسا جکڑا ہوا تھا کہ کسی صورت سے اِدھر اُدھر نہیں ہوسکتے تھے؟ پھر یہ کہنا کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے بیہودگی نہیں تو اور کیا ہے؟۔ اگر ابوبصیر کے ساتھ ابوجندل کا واقعہ ملا دیا جائے اور اس بات پر نظر کیجاوے کہ اس غریب نومسلم کو اُسکے باپ نے مسلمانوں کے ہی ڈیرے میں اسلام کیخاطر چابکوں سے مارا اور باوجود اُسکے چیخ چیخ کر مدد کی درخواست کرنیکے کوئی مدد نہ دیگئی بلکہ اُلٹا دوبارہ ظالموں کے حوالہ کردیا تاہم اسکے ایمان میں رائی برابر بھی خلل نہ آیا تو یہ امر سورج کی طرح روشن ہوجاتا ہے کہ مسلمانوں کو اسلام اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نظیر اُنس تھا اور دونوں اُنکے نزدیک جان سے بھی زیادہ عزیز تھے

ہم پھر پوچھتے ہیں کہ کیا تلوار سے بھی یہ اُنس پیدا ہوا کرتا ہے؟

والیان ملک اور بادشاہوں کے نام آنحضرتؐ کے مراسلات

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت محض عرب کے ملک کی خاطر نہیں تھی بلکہ آپ کل دنیا کے لیئے مبعوث ہو کر آئے تھے اور جبکہ مکہ میں آپ اور آپکے صحابہؓ پر انواع و اقسام کے مظالم توڑے جا رہے تھے اور ایک ظاہر بین آنکھ کو آپ اور آپکی مختصر اور مظلوم جماعت سے کوئی بڑی توقع نہیں ہو سکتی تھی عین اسوقت اللہ تعالیٰ کا مفصلہ ذیل کلام نازل ہوا اور حضرت نبی کریم صلعم کو مخاطب کر کے فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (السّبا ۳) یعنی ہم نے تجھکو سب لوگوں کے واسطے خوشخبری دینے والا اور ڈرانیوالا کر کے بھیجا ہے پھر خدا تعالیٰ نے آپکو فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء ۷) یعنی ہم نے تجھ کو کل عالموں کے لیئے رحمت کر کے بھیجا ہے۔ الغرض جب قریش اسلام کو کچل ڈالنے کی کوششوں میں مصروف تھے اور چاہتے تھے کہ اسلام مکہ کی دیواروں تک ہی محدود رہکر نابود ہو جائے تو ایسے وقت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مفصلہ ذیل اعلان کرنے کا حکم ہوا۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (اعراف ۹) یعنی تو کہدے اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول کر کے بھیجا گیا ہوں چونکہ حضرت موسیٰؑ اور دوسرے اسرائیلی نبیوں کی بعثت صرف اُنہی کی قوم تک محدود تھی اسلیئے وہ اکثر خدائے تعالیٰ کو اسرائیل کا خدا کہکر پکارتے تھے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا صرف قریش یا عربوں کا خدا نہیں بلکہ کُل جہانوں کا رب تھا اسلیئے اُس کا رسول بھی کل دنیا کی طرف مامور ہو کر آیا تھا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تئیں قریش کے خدا کا رسول نہیں فرمایا بلکہ اُس مولا کی طرف سے مبعوث ہونیکا دعویٰ فرمایا جو رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عجمی کو اس طرح نہیں دھتکارا جس طرح کہ یسوع نے کنعان کی عورت کو یہ کہکر دھتکار دیا تھا کہ "میں تو اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں" اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یسوع کی طرح غیر اسرائیلیوں کو "کتے" کہکر پکارا (متی ۱۵-۲۶)

بلکہ آپنے تو رحمۃ للعلمین ہونے کا دعویٰ فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا سے ہی اپنی بعثت عالمگیر سمجھتے تھے اور جب مکہ میں رہنے والے بعض بیرونی لوگ آپ پر ایمان لائے تو آپنے انکو اُن ملکوں کے سابقین کہکر پکارا جنسے وہ آئے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپکو ان ممالک سے بڑی بڑی فصلیں کاٹنے کی توقع تھی۔ آپنے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نام حبشہ کا پہلا آدمی رکھا اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا نام سابق الروم یعنی "رومیوں میں سے پہلے ایمان لانے والا" رکھا٭ یہ لوگ حضرت نبی کریم صلعم پر شروع شروع ہی میں ایمان لائے تھے اور آپنے جو القاب انکو دیئے اُنسے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے تئیں صرف عرب کا نبی نہیں سمجھتے تھے بلکہ آپکو یقین تھا کہ آپ کُل دنیا کیلئے مبعوث ہوئے ہیں۔ اور آپ کا مذہب نہ صرف اہل عرب قبول کرینگے بلکہ اسکی اشاعت دُور دراز ممالک میں بھی ضرور ہوگی۔ اب اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اسلام اور عیسائیت کی حالت میں زمین و آسمان کا فرق ہے اول الذکر تو ابتدا سے ہی کُل دنیا کی طرف آنیکا دعویٰ کرتا ہے مگر آخر الذکر کو جب اسرائیل کے "بچوں" کے ہاں جگہ نہیں ملتی تو ناچار غیر اسرائیل "کتوں" کی طرف مُنہ کرتا ہے۔ یسوع نے کہا تو تھا کہ بچوں کی روٹی لیکر کتوں کے سامنے ڈالنا مناسب نہیں لیکن جب بچوں نے اُسکی لائی ہوئی روٹی لینے سے انکار کردیا تو مجبوراً وہی روٹی کتوں کے سامنے ڈالنی پڑی۔ قسمت کا تماشا دیکھئے کہ جنکو یسوع مسیح "کتے"، اور "کتوں کے پلے" کہکر پکارتے ہیں اور جنکو وہ اپنے دسترخوان کا بچورا بھی دینا پسند نہیں کرتے آخر وہی سالم کی سالم روٹی چھین کر لیجاتے ہیں اور جنکو وہ اپنی بچے سمجھکر پیار کی نظر سے دیکھتے تھے انکو ایک ٹکڑا تک بھی نہیں ملتا٭٭ لیکن قابل غور یہ بات ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یسوع کی طرح دنیا کے لوگوں میں سے بعض کو "کتے" اور بعض کو "بچے" نہیں بنایا بلکہ روئے زمین کی تمام اقوام کو "اپنے بچے" ہی سمجھا۔ اور ابن مریم نے تو اپنی بعثت کے انعامات سے بنی اسرائیل ہی کو مستفیض کرنا چاہا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے برعکس اپنی رسالت کو تمام جہانوں کیلئے رحمت ظاہر فرمایا۔ اور جونہی کہ آپکو قریش کے جنگوں سے فرصت ملی وہیں آپنے قرب وجوار کے لوگوں کو دعوت دینی شروع کردی۔ اگرچہ آپکا بہت سا وقت اپنے بے شمار دشمنوں کے حملوں کی مدافعت میں صرف ہوا تاہم آپ ساتھ ساتھ مختلف قوموں میں اسلام کی منادی کرنیکے لیئے واعظ تیار کرتے رہے۔ بہت سے ایسے صحابی تھے جنکو

٭ ابن ہشام۔ ٭٭ اس بیان کی تصدیق کے لیئے ناظرین ملاحظہ کریں انجیل متی باب ۱۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حفظ کرایا تھا تاکہ دوسروں کو سنا سکیں اور جو واعظین رجیع اور بیر معونہ پر شہید ہوئے تھے وہ سب قرآن کے حافظ تھے۔ پھر جب جنگ بدر میں مسلمانوں نے بہت سے مکہ والوں کو گرفتار کر لیا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سے اکثر و نکو جو پڑھے لکھے تھے بلا معاوضہ رہا کر دیا دس دس نوجوان مسلمانوں کو لکھانے پڑھانے کیلئے ایک ایک کے سپرد کر دیا گویا زرفدیہ میں انسے یہی خدمت لیگئی جن لوگوں کو بدر کے قیدیوں نے لکھنا سکھایا تھا انہیں سے ایک زید بن ثابت بھی تھا آنحضرت صلعم نے زید کو ہوشیار دیکھکر خواہش ظاہر کی کہ وہ عبرانی اور سریانی زبانیں بھی سیکھ لے۔ (ولیم میور)

پیارے ناظرین! آنحضرت صلعم کی اس خواہش سے آپ ہی اندازہ لگائیں کہ حضور کو اپنے صحابہؓ میں تعلیم پھیلانے اور انکو قرآن سکھانیکا کسقدر خیال تھا۔ اور کیا اس سے صاف یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ آپ ان لوگوں کو اسلام کے واعظ بنا کر امن پسند ذرائع سے دین حقہ کی اشاعت کرانا چاہتے تھے اور یہ کہ آپ اسلام کی اشاعت صرف عرب تک ہی محدود نہیں رکھنا چاہتے تھے بلکہ غیر ممالک کیلئے بھی واعظ تیار کر رہے تھے؟ پھر جب کوئی عرب مسلمان ہوتا تو آپ پہلے اسکو اسلام کے اصول سکھاتے پھر قرآن پڑھا کر اسے اسکے اپنے ہی قبیلہ میں اسلام کا واعظ مقرر کر کے بھیجدیتے۔ آپکے بہت سے صحابہؓ اچھے مقرر بھی تھے اور اکثر دفعہ انہوں نے اپنی دلچسپ تقریروں سے لوگوں کے دلوں کو تسخیر کیا تھا علاوہ ازیں مسلمانوں میں فصحاء اور شعراء بھی موجود تھے ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ ایک عربی قبیلہ نے اپنے وفد کے ساتھ اپنا شاعر اور خطیب بھیجکر آنحضرت صلعم سے کہا کہ ہمارے شاعر اور خطیب کے مقابلہ کے لیئے تم اپنے شاعر اور خطیب پیش کرو۔ جب جواب اثبات میں ملا اور خوب مقابلہ ہو چکا تو اس قبیلہ کے سردار نے کہا "خدا کی قسم یہ شخص بڑا خوش قسمت ہے اسکا شاعر اور خطیب دونوں ہمارے شاعر اور خطیب سے فصاحت و بلاغت میں سبقت لیگئے ہیں" (زاد المعاد)

جب صلح حدیبیہ کے ہو جانیسے آنحضرت صلعم کو کچھ آرام ملا تو آپنے گردو نواح کی قوموں کی طرف توجہ فرمائی اور انکے بادشاہوں کے پاس سفارتیں بھیجکر انکو اپنے دعوی کی اطلاع اور اسلام کی دعوت دی ان خطوط پر مہر کرنیکے لیئے آپنے ایک انگشتری تیار کرائی جسپر محمد رسول اللہ نقش کرایا گیا تھا۔ اور اسکی یہ شکل تھی (محمد رسول اللہ) اس شکل کے دیکھنے سے ہی آنحضرت صلعم کے

اُس تعلق کا پتہ چلتا ہے جو آپکو ذات باری سے تھا۔ سبحان اللہ کس طرح مُہر سے ہی ظاہر فرما دیا ہے کہ میرے اور میرے مولا کے درمیان رسالت کا تعلق ہے اور اگرچہ میں عام زندگی لوگوں کی طرح دکھائی دیتا ہوں مگر میری رسالت کا تعلق ربّ السمٰوات کی بلند ذات سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنیکا اب میرے سوا کوئی اور ذریعہ نہیں وغیرہ۔ یہ خطوط ہرقل[۱] قیصر روم خسرو[۲] پرویز کسرٰے ایران حارث[۳] شہزادہ بنی غسان ومقوقس[۴] شاہ مصر۔ حاکم[۵] یمامہ اور شاہ حبش[۶] کی طرف روانہ کیئے گئے کچھ عرصہ بعد آپنے دیگر حاکمان وقت کے پاس بھی سفیر بھیجے۔

حضرت نبی کریم صلعم کا خط ہرقل قیصر روم کے نام

جو سفیر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ہرقل قیصر روم کے پاس لیکر گیا اس کا نام حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ تھا۔ جب یہ نامہ بر پہنچا تو ہرقل یورو شلم کے پیدل سفر کی تیاری کر رہا تھا۔ کیونکہ اس نے منّت مانی ہوئی تھی کہ اگر ایرانیوں پر اُسکو فتح ہو گی تو وہ پا پیادہ بیت المقدس کی زیارت کریگا آنحضرت صلعم کے سفیر سے اچھی طرح پیش آیا اور آپکے دعاوی کو بڑی توجہ اور اشتیاق سے سُنا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے مزید واقفیت حاصل کرنیکے لیئے مکّہ کے چند تاجروں کو اپنے حضور بلوایا جو اتفاقاً ایک قافلہ کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ ان تاجروں میں ابوسفیان بھی تھا جو کہ تا حال حضرت نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا اور اسی کے ذریعہ سے ہم تک اُس ملاقات کی تمام کیفیت پہنچی ہے جو قیصر اور خود ابوسفیان کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ جب ان سوداگران مکّہ کو قیصر کے حضور باریابی ہوئی تو اُس نے ترجمان کی مدد سے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے کون اس مدعی نبوت کا قریبی رشتہ دار ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا "حضور میں"۔ تب ہرقل نے ابوسفیان کو اپنے نزدیک کھڑے ہونیکا حکم دیا اور باقی تاجروں کو اُسکے پیچھے کھڑے رہنے کا ارشاد کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر کسی سوال کے جواب میں کوئی بات خلاف واقعہ کہے تو فوراً اسکی اصلاح کرو۔ ابوسفیان خود بیان کرتا ہے کہ "اگر مجھے اپنے ساتھیوں کی طرف سے یہ خوف نہ ہوتا کہ وہ میرے کذب کی تردید کرینگے تو میں ضرور قیصر کے حضور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق جھوٹی باتیں بھی بیان کرتا لیکن میرے ساتھیوں کی موجودگی نے مجھے ایسا کرنیسے باز رکھا"۔ جو سوالات قیصر نے اسوقت کیئے تھے وہ ایسے معقول اور طالب حق کیلئے ایسے راہ نما ہیں کہ اُنکا اندراج یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اور وہ انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے ناظرین کیلیئے بھی فائدہ سے خالی نہ ہونگے۔ ایک سعید روح اس سوال وجواب سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی نسبت بہت فائدہ اُٹھا سکتی ہے ذیل میں ہم قیصر کے سوالات اور ابوسفیان کے جواب نقل کرتے ہیں۔

قیصر کا سوال	ابوسفیان کا جواب
۱۔ محمدؐ قوم کا کیسا ہے۔	۱۔ قوم کا بڑا شریف اور نجیب الطرفین ہے۔
۲۔ تمھاری قوم (قریش) میں کبھی کسی نے انسے آگے بھی اسطرح نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔	۲۔ ایسا دعویٰ ہماری قوم میں کسی نے کبھی نہیں کیا۔
۳۔ اسکے بزرگوں میں کوئی ایسا بادشاہ گذرا ہی جسکی بادشاہت جاتی رہی ہو۔	۳۔ ایسا کوئی بادشاہ اسکے آبا و اجداد میں نہیں گذرا۔
۴۔ امیر لوگ علی العموم اس کے فرمان بردار ہوتے ہیں یا غریب۔	۴۔ غالباً غریب اور مساکین لوگ اس کے تابع ہوتے ہیں۔
۵۔ دن بدن مسلمان بڑھتے جاتے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں	۵۔ دن بدن بڑھتے ہیں۔
۶۔ کوئی آدمی محمدؐ کے دین میں داخل ہو کر ان دنوں مرتد ہوتا ہے یا نہیں۔	۶۔ کوئی مرتد نہیں ہوتا۔ محمدؐ کے دین کو برا مان کر اُسے کوئی نہیں چھوڑتا۔
۷۔ اس دعویٰ سے پہلے یہ شخص جھوٹ کا عادی تھا یا نہیں۔	۷۔ اسکو ہم لوگ ہمیشہ سچا اور راست گو یقین کرتے تھے۔
۸۔ کیا لڑائی میں عہد شکنی کرتا ہے یا نہیں۔	۸۔ آجتک اس نے عہد شکنی نہیں کی آگے دیکھیئے کیا کرتا ہے۔
۹-۱۰۔ تمھاری اور اُسکی لڑائی ہوتی ہے یا نہیں اگر ہوتی ہے تو کون فتحیاب ہوتا ہے۔	۹-۱۰۔ کبھی وہ فتح پاتا ہے۔ اور کبھی ہم غالب آتے ہیں۔
۱۱۔ تمکو کیا حکم کرتا ہے۔	۱۱۔ اللہ کی بندگی کرو ذرہ بھی شرک نہ کرو مشرکوں کی تقلید مت کرو اور حکم کرتا ہے نماز پڑھنے سچ بولنے اور گناہوں سے بچنے اور صلہ رحمی کا۔

جب ہرقل نے یہ جوابات سُنے تو اُسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یقین ہو گیا اور وہ کہنے لگا کہ پہلے سوال سے میرا منشا یہ تھا کہ تمام نبی اعلیٰ خاندانوں میں ہی

پیدا ہوتے ہیں (کیونکہ اگر وہ ادنیٰ درجہ کے لوگوں میں سے ہوں تو لوگ انکو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اسطرح انکی ادنیٰ پیدائش کی وجہ سے اُسکی قوم کے اکثر افراد سچائی سے دُور رہ جاتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ نیچ قوم کے لوگوں میں سے پرہیزگار اور خدارسیدہ آدمی پیدا نہیں ہوسکتے ہیں ہاں ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ جنکو اللہ تعالیٰ مامور کرکے دنیا میں بھیجتا ہے وہ ہمیشہ اعلیٰ اور شریف خاندانوں میں ہی پیدا ہوتے ہیں) اور دوسرے سوال سے ہرقل نے کہا میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اگر قریش میں سے کسی نے پہلے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو شاید یہ نبی اُس کے نقش قدم پر چلتا ہو" پھر قیصر نے ابوسفیان سے تیسرے سوال کا جواب سُنکر فرمایا "اگر اُسکا کوئی جدّ امجد بادشاہ ہوتا تو یہ شک ہوسکتا تھا کہ وہ اپنی موروثی سلطنت کے حاصل کرنیکا خواہاں ہے" اسی طرح سوال کا جواب سُنکر ہرقل نے کہا کہ "اگر اس نے کبھی انسانوں کے متعلق جھوٹ بولنے کا گناہ نہیں کیا تو خدا پر جھوٹ بولنے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کا گناہ اُس سے کیونکر سرزد ہوسکتا ہے؟ باقی سوالوں کے جوابات سُنکر قیصر نے کہا کہ اگر یہ تاجر جو کہتا ہے وہ سچ ہے تو اس نبی کی صداقت میں کلام نہیں کیونکہ بلا شک وشبہ یہ علامات ایک راستباز کے سوا دوسرے میں نہیں پائی جاسکتیں۔

پس حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو پڑھنے کے بعد قیصر روم نے اُس علاقہ کے رؤسا کو حکم دیا کہ بمقام حمص دربار میں حاضر ہوں۔ وہاں پہنچکر ہرقل نے ان سب لوگوں کو مخاطب کرکے کہا کہ "اے روم کے سردارو! اگر تم سلامتی اور ہدایت چاہتے ہو تو اس نبی عربی کی متابعت کرو" یہ الفاظ سُنکر وہ سب کے سب صحرائی گدھوں کی طرح نفرت ظاہر کرنے اور صلیبوں کو اُٹھاکر اوپر ہوا میں جنبش دینے لگے۔ جب ہرقل نے یہ عالم دیکھا تو وہ انکی طرف سے مایوس ہوگیا اور چونکہ اپنی سلطنت سے دست کش ہونا نہیں چاہتا تھا اسلیئے یہ کہکر بات کو ٹال دیا کہ "میں تو تمہارا ایمان آزمانا چاہتا تھا اور اب مجھے تمہاری استقلال اور جانفشانی پر پورا اطمینان ہے"

(صحیح بخاری)

التوائے جلسہ سالانہ

سال گذشتہ میں سالانہ جلسکے موقعہ پر محکمہ ریلوے کے نصف کرایہ کی تخفیف کی منظوری کی وجہ سے بہت سے ایسے احباب خصوصاً دور کے رہنے والے شریک جلسہ ہو سکے جنکا پورا کرایہ ادا کر کے شامل ہونا مشکل تھا۔ امسال بھی دسمبر میں جلسہ کے لیئے تخفیف کرایہ ریلوے کی درخواست کیگئی تھی۔ مگر وہ درخواست منظور نہیں ہوئی۔ بلکہ جسقدر سوسائیٹیوں یا انجمنوں کی طرف سے دسمبر میں جلسوں کیلیئے تخفیف کرایہ کی درخواستیں تھیں وہ سب نامنظور ہوئیں اسکی وجہ خصوصیت سے اس سال دسمبر میں لاہور میں نمائش کا ہونا بھی ہے۔ اور علاوہ ازیں دسمبر میں عام طور پر بھی آمد و رفت بہت بڑھ جاتی ہے۔ پس چونکہ پہلے ہی کثرت سے آمد و رفت ہوگی اور تخفیف کرایہ سے یہ آمد و رفت اور بھی بڑھ جانی ضروری ہے اس لیئے انتظاماً اس سال دسمبر میں کسی جلسہ پر تخفیف کرایہ منظور نہیں کیگئی سوائے نمائش کے جو ایک قسم کا نیم سرکاری جلسہ سمجھنا چاہیئے سو اسمیں بھی نہایت خفیف تخفیف منظور کی گئی ہے یعنی درجہ سوئم کے مسافروں کیلیئے قریباً آٹھواں یا نواں حصّہ کرایہ کا چھوڑا گیا ہے۔ مگر اس سے علاوہ دسمبر کے مہینہ میں (۷ دسمبر سے ۲۶ دسمبر تک) درجہ اوّل و دوم و انٹر میڈیٹ کیلیئے بعض خاص رعائتیں ہوتی ہیں پس محکمہ ریلوے نے ان تمام وجوہات متذکرہ بالا کی بنا پر اس سال دسمبر کے مہینے میں جسقدر جلسوں کیلیئے درجہ سوئم و انٹر میڈیٹ میں نصف کرایہ کی رعایت کی درخواستیں تھیں انہیں نامنظور کیا ہے۔

چونکہ صرف دسمبر کا مہینہ ہی نصف کرایہ کی رعایت کا مانع ہوا ہے۔ اسلیئے حضرت خلیفۃ المسیح نے اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ جلسہ سالانہ بجائے دسمبر کی ۲۶-۲۷-۲۸ کے ماہ مارچ کی انہی تاریخوں کے قریب قریب ہے۔ مارچ میں ۲۴ مارچ سے لیکر ۲۸ مارچ تک پانچ تعطیلیں اکٹھی ہیں۔ یعنی ایک تعطیل بارہ وفات کی اور چار تعطیلیں ایسٹر کی جو جملہ محکمہ جات و دفاتر سرکاری وغیرہ میں منظوری کی تعطیلیں ہیں۔ پس ان دنوں میں ملازمین سرکاری بھی اسی طرح جلسہ سالانہ میں شامل ہو سکتے ہیں جس طرح وہ دسمبر میں شامل ہو سکتے ہیں حضرت خلیفۃ المسیح کا اس التوا کو پسند فرمانا اسوجہ سے ہے کہ اسوقت یعنی مارچ میں جلسہ کرنیسے وہ رعایت کرایہ کی مل سکیگی جو گذشتہ سال ہمارے جلسکے لیئے ملی تھی۔ یعنی ایک طرف کا کرایہ ادا کر کے آمد و رفت دونوں ہو سکیں گی۔ اور چونکہ ہماری جماعت میں اکثر حصہ غربا اور زمینداروں کا ہے اور یہ بہت ضروری ہے

کہ جسقدر ممکن ہو زیادہ احباب سالانہ جلسہ میں شامل ہوں اسلیئے مناسب سمجھا گیا ہے کہ جلسہ ایسے وقت میں کیا جائے جب کرایہ کی رعایت ملجائے تاکہ جماعت کا اکثر حصہ (جو غربا اور ضعفا ہیں) اس میں شامل ہو سکے۔ علاوہ بریں جو صاحب استطاعت ہیں وہ کرایہ کی رعایت سے فائدہ اٹھا کر وہی روپیہ کسی انجمن کے اور مفید اغراض میں بطور مدد دے سکتے ہیں بلکہ سالانہ جلسہ کے اخراجات کا بہت سا حصہ اس طرح پر نکل سکتا ہے۔ اور چونکہ اخیر مارچ میں زمینداروں کے شامل ہونے میں بھی کوئی مانع نہیں اور فصل ربیع کی کٹائی میں قریباً تین ہفتے اسوقت باقی ہونگے اسلیئے بظاہر یہ موقع ایسا ہے کہ اس میں ہر درجہ اور طبقہ کے احباب شامل ہو سکتے ہیں اور غیب کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ علاوہ اس فائدہ کے کہ ایک تو دُور دُور کے کم استطاعت احباب بھی اس طرح جلسہ میں شامل ہو سکیں گے اور دوسرے اخراجات جلسہ میں بہت سی مدد مل سکیگی بعض اور فوائد بھی مارچ میں جلسہ کرنے میں ہیں۔ دسمبر میں سخت سردیوں کی وجہ سے ایک طرف مہمانوں کو بڑے بڑے بستر ساتھ لانیکی مشکلات پیش آتی ہیں اور دوسری طرف اسجگہ بھی مکانوں کی مشکلات پیش آتی ہیں۔ اور بہت سا روپیہ صرف کرنیکے باوجود مکان کا ٹھیک انتظام نہیں ہو سکتا۔ مارچ میں کھلا موسم ہونیکی وجہ سے جب نہ زیادہ سردی ہوگی اور نہ ابھی گرمی شروع ہوئی ہوگی اس قسم کے مشکلات امید ہے پیش نہ آئیں گی۔ اور ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ دسمبر میں سخت سردی اور چھوٹے دن ہونیکی وجہ سے بہت تھوڑا کام ہوتا ہے۔ صبح دس گیارہ بجے تک سردی کی شدت کی وجہ سے کام نہیں ہو سکتا اور رات کو بھی اجتماع ہونا مشکل ہوتا ہے۔ مارچ میں چونکہ موسم نہایت معتدل ہوگا اور دن بھی نسبتاً لمبے ہونگے اسلیئے دو دن میں اتنا کام ہو سکیگا جو دسمبر کے چار دنوں میں ہو سکتا ہے۔ پس بظاہر یہ التوا ہر طرح سے مفید معلوم ہوتا ہے۔ والعلم عند اللہ۔

اس اعلان کا منشا یہ نہیں ہے کہ دسمبر کے موقعہ پر جو احباب آنا پسند کرتے ہیں وہ نہ آویں اللہ تعالیٰ کے فضل سے مہمانوں کی آمد و رفت تو ہر روز ہی ہوتی ہے اور پھر تعطیلوں کے دنوں میں ملازمین خصوصیت سے آجایا کرتے ہیں۔ پس جو احباب چاہیں وہ دسمبر میں آویں اور حضرت خلیفۃ المسیح کے کلمات اور بابرکت صحبت سے مستفیض ہوں۔ اعلان کا منشا صرف اسقدر ہے کہ سالانہ جلسہ بجائے دسمبر کے مارچ میں ہوگا اور یہ ضروری ہوگا کہ اس جلسہ میں جسقدر زیادہ احباب ممکن ہو شامل ہونگے

کوشش کریں کیونکہ ایسا اجتماع خاص برکات اور باہم میل ملاقات کا موجب ہوتا ہے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

سالانہ جلسہ کی تاریخوں کی تبدیلی - یہ اطلاع علیحدہ بذریعہ اعلان و اخبارات سب انجمنوں اور احباب کو دیجا چکی ہے کہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے اس سال سالانہ جلسہ بجائے دسمبر کے اخیر مارچ میں ہوگا۔ اور اسکی تاریخیں ۲۴ مارچ اور ۲۸ مارچ کے درمیان رکھی جاویں گی قادیان میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور دینی فوائد کے حصول کیلئے آمد و رفت کا سلسلہ یوں تو اُسوقت سے جاری ہے جب ابھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیعت لینے کا اعلان بھی نہ فرمایا تھا۔ اور یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسکے ان وعدوں کے مطابق جو حضرت اقدس کو تنہائی اور گمنامی کے وقت میں دیئے گئے تھے کہ یأتون من کل فج عمیق روز بروز ترقی پر رہا ہے۔ مگر اس معمولی آمد و رفت کے علاوہ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ بھی ضروری سمجھا تھا کہ ایک سالانہ جلسہ احباب کا ہو جسمیں ہماری جماعت کے لوگ بہ نیت استفادہ ضروریات دین و مشورہ اعلائے کلمۂ اسلام ایک وقت میں جمع ہوں۔ سال گذشتہ میں تخفیف کرایہ ریلوے کی وجہ سے قریب اڑھائی تین ہزار آدمی کا مجمع جلسہ سالانہ پر ہوگیا تھا۔ مگر ان وجوہات کے باعث جنکا ذکر دوسری جگہ کیا گیا ہے امسال دسمبر کے مہینے میں جلسہ ہونیکی صورت میں تخفیف کرایہ منظور نہیں ہوئی اسلیئے جلسہ کی تاریخیں بدل کر ایسے موقعہ پر رکھدی گئی ہیں جب تعطیلوں کیوجہ سے ملازمین کے آنے میں بھی روک نہ ہو اور تخفیف کرایہ سے بھی فائدہ اُٹھایا جاسکے۔ احباب کو چاہیئے کہ جہانتک ممکن ہو اس جلسہ میں شامل ہونیکی کوشش کریں۔ اگر تجربہ سے جلسہ کیلئے یہ تاریخیں زیادہ موزوں ثابت ہوئیں تو آیندہ بھی بجائے دسمبر کے مارچ میں ہی جلسہ ہوا کریگا۔

مدرسہ - صاحب انسپکٹر مدارس نے جو اظہار خوشنودی مدرسہ ہذا کے معاینہ پر کیا اسکی اطلاع گذشتہ ماہ میں احباب کو دیجا چکی ہے۔ یہ رپورٹ گذشتہ اجلاس مجلس معتمدین میں پیش ہونے پر مجلس نے ضروری سمجھا کہ جناب مولوی صدرالدین صاحب بی اے ہیڈ ماسٹر مدرسہ کی قابل تعریف خدمات کیلئے مولوی صاحب موصوف کا شکریہ کل قوم کی طرف سے کیا جائے۔ درحقیقت جس جانفشانی اور محنت سے مولوی

صدرالدین صاحب نے ان چند ماہ کے اندر کام کیا ہے۔ اسکی جزائے خیر تو اللہ تعالیٰ ہی انکو دے سکتا ہے اور دیگا مگر ایسی قابل قدر خدمات کا اعتراف مجلس کیلئے بھی ضروری تھا۔ لیکن اس امر کا ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ مولوی صاحب موصوف کا کام صرف طالب علموں کی دنیوی تعلیم کی نگرانی تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ بچوں کی اخلاقی تربیت اور دینی ترقی کی طرف بھی وہ خصوصیت سے متوجہ رہے ہیں اور انکی نگرانی اور توجہ سے بھی بڑھکر بچوں پر نیک اثر ڈالنے والی بات انکا اپنا نیک نمونہ ہے۔ قرآن کریم سے مولوی صاحب موصوف کو کیسا عشق ہے اسکو جیسا ان لوگوں نے محسوس کیا ہے جہاں وہ اپنی سرکاری خدمات کے دوران میں رہے ہیں جیسے شملہ لدھیانہ اور لاہور کے احباب اور جیسا ان احباب نے انسے فائدہ اُٹھایا ہے ویسا ہی یہاں بھی لوگوں نے انکی قرآن کریم سے سچی محبت کو محسوس کیا ہے اور مدرسہ کے بچوں نے انسے خصوصیت سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ ایسے ہیڈ ماسٹر کے ماتحت رہ کر اور اسکے نیک نمونہ کو دیکھکر بچے کسقدر فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اسکو جس آسانی سے ہمارے شملہ لدھیانہ اور لاہور کے احباب اور انکے اپنے شہر سیالکوٹ کے مخلص احباب محسوس کر سکتے ہیں شاید دُور کے احباب یا دوسرے احباب اسکا اندازہ نہ کر سکیں مگر اسقدر تو سب احباب کو معلوم ہے کہ قادیان میں آتے ہی انکا پہلا کام یہ تھا کہ انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح سے عرض کرکے قرآن شریف کے ایک خاص درس کا انتظام کیا اور پھر خود مختلف جماعتوں کو خط لکھے کہ انہیں سے ہر ایک اپنے میں سے ایک دوست کو اس درس کے سُننے کیلئے بھیجیں جو قریباً سوا دو یا اڑھائی ماہ میں ختم ہو گیا تھا۔ میری غرض ان باتوں کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ یوں تو ہر عمر کے شاگرد پر اُستاد کی دینداری۔ اخلاق اور اسکے اخلاص اور محبت کا خاص اثر ہوتا ہے مگر کم عمر بچوں پر خصوصاً یہ اثر بہت ہی زیادہ ہوتا ہے۔ اور اکثر سعید بچے گویا پڑھانیوالے کے رنگ میں رنگین ہو جاتے ہیں۔ عربی میں ایک مثل مشہور ہے لا تسئل عن المرء وسل عن قرینہ یعنی اگر ایک شخص کے اخلاق اور اسکے چال چلن کا پتہ لگانا چاہو تو اسکے حالات دریافت کرنیکی ضرورت نہیں بلکہ یہ دریافت کرو کہ اسکے ہمنشین کیسے ہیں جسطرح یہ ایک نہایت ہی سچی بات ہے اسی طرح سے اس امر میں بھی کوئی شک نہیں کہ کسی مدرسہ کے طالب علموں کی اخلاقی اور دینی حالت کا اندازہ اس مدرسہ کے مدرسین اور خصوصاً ہیڈ ماسٹر کے اخلاق اور دینی حالت سے لگ سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے بارہا یہ خیال کیا ہے بلکہ بعض وقت ایسے خیالات کا اظہار

بھی کیا ہے کہ ایک انگریزی تعلیم دینے والا مدرسہ قائم کرنے یا رکھنے کی ضرورت کیا ہے۔ خدا کے برگزیدہ کی فراست اور عاقبت بینی نے تو خدا جانے کیا کیا مصلحتیں دیکھی ہونگی اور یہ بھی ہمیں علم نہیں کہ ابھی اس مدرسہ سے کیا فوائد دنیا کو پہنچنے والے ہیں مگر ایک موٹی بات جسکا سطحی نظر سے بھی پتہ لگ سکتا ہے۔ یہی ہے کہ جس قسم کی دینداری کے اعلیٰ نمونہ اور اسلام اور قرآن کریم سے سچی اور خالص محبت رکھنے والے ہیڈ ماسٹر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مدرسہ کو میسر آسکتے ہیں انکا اور جگہ ملنا مشکل ہے پس اس نے چاہا کہ ہماری قوم کے بچے اگر اپنی دنیوی اغراض اور ترقیوں کیلیئے بھی کوشش کریں تو ایسی مدرسین کے نیچے جو اُن روحوں کو جنمیں ایسی استعداد موجود ہے دنیا کے کام کرتے ہوئے بھی دین کی سچی راہوں پر چلادیں اور اپنے نیک نمونہ سے انکے اندر نیکی کی روح پھونکدیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اسنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس آرزو کو پورا کیا۔ اور اس مدرسہ کی ہیڈ ماسٹری کو ہمیشہ ایسے نیک ہاتھوں میں رکھا جیسے مولوی شیر علی صاحب اور مفتی محمد صادق صاحب۔ اور اب مولوی صدرالدین صاحب۔ اور اور پھر ان ہیڈ ماسٹروں کو نیک معاون دیئے۔ یہ سب کچھ اسی کے فضل سے ہوا۔ اور اسی کے فضل سے اس مدرسہ نے دن بدن ترقی پکڑی۔ اور اسکے ان فضلوں اور تائیدوں سے جو حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی دعا اور توجہ قدسی سے اس سلسلہ کے شامل حال ہیں ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی اس آرزو کو بھی پورا کریگا کہ یہ مدرسہ جلدی ہی ترقی کرکے کالج بنجائیگا۔ اور مسلمانوں کی دینی اور دنیوی تعلیم کا مرکز ہوجائیگا۔

ہیڈ ماسٹر اور مدرسین کے علاوہ میں دیکھتا ہوں کہ اس مدرسہ کے بچوں کی بھلائی اور انکی دینی اور اخلاقی اصلاح اور ترقی کیلیئے خود حضرت خلیفۃ المسیحؑ کو اللہ تعالیٰ نے خاص جوش عطا فرمایا ہے۔ روزانہ درس کے علاوہ جسکی نظیر آج دنیا بھر میں اور کہیں نہیں ملتی آپ گاہے گاہے بچوں کو ایسے ایسی آسان طریقوں سے نیک نصائح فرماتے ہیں جنسے سعید روحوں اور صاف دلوں پر ایک ایسا نقش بیٹھ جاتا ہے جسکا اثر خدا چاہے تو اخیر زندگی تک ضائع نہ ہو۔ ہاں طبیعت میں استعداد کا موجود ہونا ضروری ہے۔ کل یعمل علی شاکلتہ کا ارشاد اس عالم الغیب کی طرف سے ہے جو فطرت انسانی کا خالق اور اسکے باریک در باریک بھیدوں سے واقف ہے۔ ظاہری اور باطنی سلسلوں میں گو کیسا ہی اختلاف ہو مگر وہ ایک سے ہی قوانین کے ماتحت ہیں۔ جسطرح انسان کے بچے کی جسمانی ترقی اور اسکے ذہنی اور عقلی قویٰ کا نشوونما خاص قوانین کے ماتحت ہے یہی حال دینی اور اخلاقی ترقی اور روحانی

قویٰ کے نشوونما کا ہے۔ ایک سی غذا کھاتے ہوئے دو بچے ہوتے ہیں ایک پہلوان ہو جاتا ہے اور دوسرا بمشکل چارپائی سے اُٹھ سکتا ہے ایک ہی جماعت میں ایک ہی اُستاد کے نیچے تعلیم پانیوالے ایک اپنی ذہانت سے اور دوسرا غباوت سے استاد کو حیران کر دیتا ہے۔ ایک اگر ایک سال میں دو جماعتیں پاس کر لیتا ہے تو دوسرا دس دس سال تک ایک ہی جماعت میں فیل ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک ہی ماں باپ کے دو بچے ایک اپنی عقلمندی میں اور دوسرا حماقت میں بے نظیر ہوتے ہیں دینی اور اخلاقی فائدہ اُٹھانے میں بعینہٖ اسی قسم کے اختلاف پائے جاتے ہیں۔ اس فطرتوں کے اختلاف سے بعض لوگ ٹھوکر کھاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت پر ایسے ایسے بھی اعتراض ہوئے ہیں کہ انمیں بعض ایسے لوگ ہیں جو نمازوں کی پروا نہیں کرتے یا تقویٰ کی راہوں پر قدم نہیں مارتے اور ہمارے مدرسہ کے بچوں پر بھی بعض وقت ایسے اعتراض ہوئے ہیں کہ ان میں سے بعض نماز کے پوری پابند نہیں یا ڈاڑھی مُنڈواتے ہیں یا کالر اور نکٹائی پہنتے ہیں یا قرآن شریف کے درس میں باقاعدہ حاضر نہیں ہوتے۔ ان دونوں اعتراضوں کا جواب ایک ہی ہے۔ بلکہ بعض وقت تو ہماری اپنے مدرسین اس بات پر بے صبر ہو جاتے ہیں کہ اگر کسی طالب علم سے کوئی کمزوری ظاہر ہوئی ہے یا فرائض کی ادائگی میں کوئی سُستی ہوئی ہے تو اسکا مدرسہ میں رہنا نقصان دہ ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ کمزوریوں اور سُستیوں کے علاج کیلئے ہی تو لوگ اپنے بچوں کو یہاں بھیجتے ہیں دیکھنا تو یہ ہے کہ یہی بچے جنکی ایک آدھ کمزوری پر آج صبر نہیں کیا جا سکتا وہ اس سے پہلے کس حالت میں تھے۔ اصلاح میں بے صبری سے کام نہیں چلتا۔ حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے بعض وقت ایسے بے صبر معترضوں کو یُوں بھی سمجھایا ہے کہ تم اپنے انہی نوجوانی کے ایام پر غور کرو کہ تمھاری اسوقت کیا حالت تھی۔ اور یہ بات بھی صحیح ہے۔ بچے آخر بچے ہی ہیں انکا مقابلہ انہی کی طرح دوسرے مدرسوں میں پڑھنے والے طالب علموں سے ہو سکتا ہے۔ جس شخص کو ممتحن بنایا جائے اگر وہ بچوں کی قابلیت کا معیار اپنی موجودہ قابلیت کو رکھے تو کون اسے عقلمند کہیگا۔ غرضکہ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت بمقابلہ دوسری جماعتوں کے نیکی اور تقویٰ میں ترقی کر رہی ہے اور اسکی تقویٰ میں ترقی دیکھنے کے لئے ہمنے یہ نہیں دیکھنا کہ اب انہیں سے کسی فرد میں کوئی کمزوری تو نہیں پائی جاتی بلکہ بحیثیت مجموعی جماعت کے تقویٰ میں ترقی کا اندازہ انکی پہلی زندگیوں یا ایسی ہی دوسری جماعتوں کے

مقابلہ سے ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ہمارے مدرسہ کے بچوں کی دینی ترقی اور اخلاقی تربیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ وہ کس حالت میں یہاں آئے تھے اور اپنی پہلی حالت سے کسقدر ترقی انہوں نے کی ہے۔ یا دوسرے مدرسوں میں پڑھنے والے طالب علموں کے مقابلہ میں بحیثیت مجموعی وہ کیسے ہیں۔ گورنمنٹ یا مشن سکولوں کو تو الگ رکھو اسلامی دینی تعلیم کو مروجہ تعلیم کے ساتھ دینے والے دو ہی بڑے انسٹیٹیوشن اسوقت ہندوستان میں ہیں ایک علیگڈھ کالج اور دوسرا لاہور کا اسلامیہ کالج اور سکول۔ ہم تو ان دو کالجوں کے وجود کو بھی مسلمانوں کیلئے مغتنمات سے سمجھتے ہیں نہ اسلیئے کہ وہاں ایسی دینی تعلیم ہوتی ہے جو نقصوں سے خالی ہے بلکہ اس لیئے کہ انکے نہ ہونیکی صورت میں مسلمان طالب علموں کو مجبورًا یا ان کالجوں میں جانا پڑتا جہاں مذہب کی تعلیم کچھ بھی نہیں دیجاتی اور یا وہاں جہاں اسلام کے خلاف تعلیم دیجاتی ہے۔ تھوڑے دن ہوئے ہمارے احمدی طلباء میں سے جو علیگڈھ کالج میں تعلیم پاتے ہیں ایک طالب علم نے موسم گرما کی رخصتوں کے اختتام پر حضرت خلیفۃ المسیح سے رخصت ہونے وقت یہ ذکر کیا کہ مجھے یہ بھی ہدایت تھی کہ علیگڈھ کالج کے لیئے چندہ کرکے لانا۔ آپ اس میں کیا فرماتے ہیں تو آپ نے اُسے بہت ملامت کی اور فرمایا "کہ تمنے ایسے بے وقت یہ بات بتائی ہے اگر تم پہلے بتاتے تو میں تمھیں ایسی راہ بتاتا کہ تم معقول رقم فراہم کرسکتے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ کیا تمنے ہمیں ایسا تنگدل سمجھ لیا کہ ہم علیگڈھ کالج کی مدد کیلیئے کوشش کرنیکو اچھا نہیں سمجھتے" اور ہم نے تو اپنے مدرسہ کے بہت سے طلباء کو جنکے لیئے صورت گذارہ ہو سکتی تھی علیگڈھ کالج یا اسلامیہ کالج بھیجنے کی کوشش کی ہے پس ہمارے سکول کے فوائد کو سمجھنے کیلیئے زیادہ مقابلہ کی ضرورت نہیں انہی دو اسلامی کالجوں کے لڑکوں سے مقابلہ کرکے دیکھ لو کہ نسبتًا کہاں کے طلباء زیادہ دیندار۔ نماز کے زیادہ پابند۔ شعار اسلامی کی زیادہ عزت کرنیوالے۔ اپنے افسروں اور اُستادوں کی زیادہ اطاعت کرنیوالے ہیں۔ شائد ایک سال کے قریب ہوا کہ مولوی محمدؐ حسین صاحب ریڈر ڈسٹرکٹ جج صاحب گورداسپور اپنے بچے کو یہاں لائے تھے۔ اور انہوں نے فرمایا کہ مینے جسقدر اسلام کی محبت۔ عزت اور عظمت یہاں کے استادوں اور لڑکوں میں دیکھی ہے اور جسقدر یہاں کے اُستادوں میں خصوصًا ہیڈ ماسٹر میں بچوں کیلیئے سچی ہمدردی دیکھی ہے اور جسقدر یہاں کے لڑکے اسلام کے رنگ میں رنگیں نظر آتے ہیں ایسی دوسری کسی جگہ دیکھنے میں نہیں آئے۔

بات کسیقدر لمبی ہوگئی میری غرض یہ تھی کہ جس طرح ایک حاذق طبیب کے سپرد بیمار کو کرکے ہمیں مطمئن رہنا چاہیئے کہ وہ اسکی مزاج کے موافق علاج کو ہم سے بہتر سمجھتا ہے۔ اسی طرح ہیڈ ماسٹر ایک طبیب ہے جسکے سپرد بچے کیئے جاتے ہیں۔ اگر وہ غلطی کرتے ہیں تو وہی انکی اصلاح کریگا۔ بچوں کی غلطیوں پر دوسروں کا شور ڈالنا کسی طرح ان بچوں کیلیئے مفید نہیں ہو سکتا ان سب باتوں کو اس طبیب پر چھوڑنا چاہیئے جسکے سپرد ان بچوں کو کیا گیا ہے۔ بے تعلق لوگوں کو تو الگ رکھو وہ بچوں کے ماں باپ کی نسبت بھی بہتر سمجھتا ہے کہ کسطرح انکی کمزوریوں کا علاج کرنا چاہیئے جس سے وہ دوا کو پیکر فائدہ اٹھائیں نہ یہ کہ علاج سے ہی متنفر ہو جائیں۔ ہمارے مدرسہ کو مولوی صدر الدین صاحب کے وجود میں اللہ تعالیٰ نے ایسا ہیڈ ماسٹر دیدیا ہے۔ جو بچوں کا پورا ہمدرد اور انکے حق میں حاذق طبیب کا حکم رکھتا ہے۔ اگر کوئی نقص ہو تو اس کا انکی اطلاع میں لانا کافی ہے وہ ہر وقت ایسے نقصوں کی اصلاح کے لیئے تیار ہیں۔ پھر ایک اور دقت یہ ہے کہ دو چار بچوں کی کسی کمزوری سے ایک قاعدہ کلیہ بنالینا درست نہیں اور نکتہ چینی میں تو پھر اس طرف انسان کی توجہ نہیں رہتی کہ تحقیق کرکے سچی بات کو دیکھے بلکہ اس اعتراض کے سجانے کیلیئے جو بات ملجائے غنیمت سمجھی جاتی ہے۔ بلکہ بعض وقت تو قم کے قاضی کی طرح قافیہ کی پسندیدگی ہی کسی کے خون کا باعث ہو جاتی ہے۔*

اشاعت اسلام - حضرت مسیح موعودؑ کا ہو تسو والا لیکچر انگریزی میں بالفعل پانچ ہزار چوبیس سو روپے کی لاگت سے چھپوانا منظور کیا گیا ہے۔ اور اسکے لیئے روپیہ کی ایک قسط بھی بھیجدی گئی ہے۔ مگر شاید تین چار ماہ تک اسکی تکمیل ہو کیونکہ پروفوں کے آنے جانے میں بھی ڈیڑھ ماہ لگ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت ہی ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کے خدام سے ایسا کام کرا رہی ہے۔ وہ اپنے دلوں میں اشاعت اسلام کے لیئے سچا جوش اور تڑپ رکھتے

* حضرت اقدس یہ بات اکثر سنایا کرتے تھے کہ شہر قم میں ایک قاضی تھے جنہیں شاہ وقت کی طرف سے یہ پروانہ پہنچا کہ ایھا القاضی فی قم انا عزلناک فقم۔ یعنی اے قم کے قاضی ہم نے تجھے موقوف کیا پس تو اٹھ جا۔ جب یہ پروانہ قاضی کے پاس پہنچا تو وہ رو پڑا کہ میرا کوئی گناہ نہیں جسکے لیئے موقوف کیا گیا ہوں بلکہ بادشاہ کو قافیہ پسند آگیا ہے۔

ہیں۔ اور یہ جوش دراصل اسی عظیم الشان انسان کے انفاس قدسیہ کی برکت سے ہے جو دنیا میں خدا کا مسیح ہو کر آیا اور خدا کی بھیجے ہوؤں کی طرح ایک جماعت میں وہی روح پیدا کر کے یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ کے ارشاد کے مطابق اپنے مالک بھیجنے والے کی طرف واپس چلا گیا ولایت میں اشاعت اسلام کا سوال گذشتہ ماہ میں انجمنہائے احمدیہ کے سامنے رکھا گیا تھا اسکی رپورٹ تو علیحدہ پیش ہوگی مگر اسقدر ذکر کر دینا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اشاعت اسلام کا جو جوش اس قوم کو دیا گیا ہے ولایت میں اشاعت اسلام کی آواز پر نہایت ہی خوشی اور شرح صدر سے لبیک کہنے میں اس کا ثبوت اس موقعہ پر تمام انجمنوں نے دیا ہے۔ اس قدم کے اُٹھانے میں جو جو مشکلات ہیں اپر مجلس معتمدین انجمنوں کی آراء کے پیش ہونے پر انشاء اللہ تعالیٰ غور کریگی۔ سرمایہ کا سوال سب سے زیادہ اہم ہے اور جبتک کم ازکم تین چار سال تک کام چلانیکا پورا سرمایہ جمع نہ ہو جائے اسوقت تک بذریعہ مشن سلسلہ تبلیغ کو انگلستان یا امریکہ میں قائیم کرنیکے لیئے قدم نہیں اُٹھایا جاسکتا۔ مگر اسکے یہ معنے نہیں کہ ہم خاموش بیٹھے رہیں اسکے لیئے ابھی سے کوشش شروع کیجاویگی۔ تو کہیں تین چار سال میں بیس پچیس ہزار کا الگ سرمایہ جمع ہو سکیگا کیونکہ جو کام جاری ہیں انکو جاری رکھکر بلکہ انہیں بھی ہر طرح سے ترقی کرتے ہوئے اس دوسری خدمت کو ادا کرنا ہے۔ آخر کرنیکا کام کرنیسے ہی ہونگے باتوں سے پورے نہیں ہوسکتے۔ باتیں تو بہت لوگ کر سکتے ہیں کام کر کے دکھانا ہی مشکل ہے۔ کسر صلیب حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی خاص غرض ہے اسی لیئے جب ریویو آف ریلیجنز کا اجرا ہوا تو حضرت اقدسؑ نے اسی بہت ہی پسند فرمایا کہ اسکی اشاعت ولایت میں ہو۔ اور جماعت کو نصیحت کی کہ وہ اس کام میں جائدادیں بیچکر بھی مدد کرنیسے دریغ نہ کریں۔ یہ نہ فرمایا کہ ابھی ہندوستان ہیں ہی تم تبلیغ کرو اور باہر کے فکر کی ضرورت نہیں۔ ایسی خود ساختہ اصول واقعات کی روشنی کے سامنے ٹھہر نہیں سکتے۔ صلح حدیبیہ کا زمانہ وہ ہے جب ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن مکہ تو کفر سے بھرا ہوا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایران اور روم اور حبش تک مبلغین بھیج رہے ہیں۔ ہاں دوسری طرف یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ باوجودیکہ حضرت اقدسؑ کسر صلیب کی غرض سے عیسائی ممالک میں اشاعت اسلام کو اسقدر ضروری سمجھتے تھے۔ پھر بھی یہ نہیں کیا کہ یہاں کے کاروبار کو بند کر دیتے اور کل کا کل روپیہ ایک اسی کام پر لگانے کیلیئے ہدایت فرماتے۔ اعتراض کرنیوالوں نے تو یہ اعتراض کیئے کہ مرزا صاحب جو روپیہ مکان بنوانے پر صرف کر رہے ہیں اور جو روپیہ مدرسہ پر صرف ہو رہا ہے وہ سب کاروبار بند کر کے صرف ایک خیالی

اشاعت اسلام پر لگایا جاوے۔ پر یہ نہ سمجھا کہ یہ سب کام خود اشاعت اسلام کی ہی ضروریات ہیں ایسی ہی باتیں اب بھی بعض لوگوں کو سوجھتی ہیں کہ فلاں فلاں کام بند کر کے یہ روپیہ اشاعت اسلام کیلئے نکل سکتا ہے۔ مگر یہ راہ غلط ہے۔ قومی زندگی اور قومی ضروریات کی راہیں بند کرنیسے جب خود قوم ہی کمزور ہو جائیگی تو اشاعت اسلام وہ کیا کریگی۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ کوئی ایسا ہی انتظام کر دیتا کہ اصلاح اور تبلیغ کے کام کیلئے ملائکہ کو مامور کر دیا کرتا۔ جو کھانے پینے اور مکانوں کی ضروریات سے فارغ ہوتے۔ انکو نہ دفتروں کی ضرورت ہوتی نہ رہایش کے مکانوں کی۔ نہ کھانے پینے کی نہ ہی پھر ایسے اعتراضوں پر لوگوں کو کتابوں اور اخباروں اور رسالوں کے اوراق سیاہ کرنے پڑتے بلکہ یہ ورق بھی اشاعت اسلام کے کسی مفید کام پر صرف ہوتے۔ مگر اپنے مصالح کو وہی بہتر سمجھتا ہے۔ اور جبتک انسان ہی یہ کام کرنیوالے ہونگے انکو اپنے اور بیوی بچوں کی کھانے پینے کی ضروریات بھی ساتھ لگی رہیں گی اور رہایش کے لیئے مکانوں کی ضرورت بھی ہوگی کاش ہمارے معترض کوئی خود ہی ایسا نمونہ دکھا دیتے کہ مکانوں پر ہزار ہا روپیہ صرف کرنیکے بغیر بھی یہ کام چل سکتے ہیں یہی اعتراض منصوری کے مباحثہ میں بھی اس سلسلہ پر کیا گیا کہ وہ تو لوگوں کو تنخواہیں دیکر کاروبار کراتے ہیں۔ غرضکہ جو کام سلسلہ کے ہو رہے ہیں انکا ہوتے رہنا بھی ضروری ہے بلکہ خود انہیں نئی نئی ضرورتیں بھی پیش آتی رہیں گی اور وہ قوم کو پوری کرنی ہونگی اور اسپر مزید یہ ایک کام ولایت میں مشن قایم کرنیکا ہوگا۔ یہ بات میںنے بعض غلط فہمیوں کے رفع کرنیکے لیئے کھولکر لکھدی ہے۔

کتاب اظہار حق جس میں بابا نانک صاحب کے اسلام لانیکا ثبوت سکھوں کی اپنی کتابوں سے دیا گیا ہے دو سو کاپی مفت اشاعت کے لیئے منظور کیگئی ہے گو اس کتاب کی قیمت بھی صرف اصل لاگت کے قریباً برابر ہی رکھی گئی تھی۔ مگر تاہم چند کاپیاں مفت تقسیم کرنیکے واسطے مخصوص کر دیگئی ہیں انہیں سے سو کے قریب کتاب نکل چکی ہے۔ غرض یہ ہے کہ سکھ صاحبان کے ہاتھ میں یہ کتاب پہنچائی جاوے اس غرض کیلئے جہانتک گنجایش ہے درخواستیں آنے پر بلا قیمت کتاب روانہ ہو سکے گی مگر محصول منگوانے والے کو خود ادا کرنا ہوگا۔

تفسیر القرآن کے متعلق چونکہ احباب کا بہت زیادہ اشتیاق پایا جاتا تھا کہ جلدی جلدی معقول حصہ کی تفسیر انکے ہاتھوں میں پہنچے۔ اسلیئے یہ انتظام کیا گیا ہے کہ آیندہ کے

لیئے ہر سہ ماہی میں قریباً پونے پارہ کی تفسیر نکل جائیگی اس طرح پر اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تین پاروں کی تفسیر سال میں نکل جایا کرے گی۔

سلسلۂ تبلیغ میں منصوری کا مباحثہ گذشتہ ماہ میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت خلیفۃ المسیح کی دعاؤں سے بہت اچھے لوگوں نے اس سلسلہ کی باتوں کو سنا اور بہت لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ مفصل رپورٹ چونکہ اخبار بدر میں چھپ چکی ہے اسلیئے یہاں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ شیخ غلام احمد صاحب موضع کاٹھ گڈھ وغیرہ میں تشریف لیگئے۔ شروع دسمبر میں مسیحیوں نے لاہور میں چھ لیکچروں کے سلسلہ وار دیئے جانیکا انتظام کیا ہے جن میں سے بعض لیکچروں میں اسلام پر خصوصیت سے حملے کرنیکا مقصد ہے چنانچہ دو لیکچروں کے عنوان یہ ہیں عدم عرفان در اسلام عظمت مسیح از روئے قرآن۔ تعجب ہے کہ لاہور کے بشپ صاحب بھی ان لیکچروں میں ہیں حالانکہ کئی سال ہوئے جب انہوں نے پہلے پبلک جلسوں میں اسلام پر اسی طرح حملے کیئے تھے تو حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج دینے پر انہوں نے یہ بہانہ کر کے مباحثہ کے چیلنج کو ٹال دیا تھا کہ میرا کام کلیسیا کی اندرونی اصلاح ہے۔ اسی لیکچروں کے سلسلہ کے نوٹ لینے کے لیئے شیخ عبدالرحمن صاحب حضرت خلیفۃ المسیحؑ کے حکم سے لاہور گئے ہیں اور آپکی طرف سے یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ جو باتیں جواب دینے کی قابل ان لیکچروں میں ہونگی انکے جواب کے لیئے بہت جلد لاہور میں ہماری جماعت کی طرف سے لیکچر دیئے جاویں گے۔

مساکین اور یتامیٰ کیلیئے موسم سرما میں خصوصیت سے گرم کپڑوں اور لحافوں وغیرہ کی ضرورت بہت ہوتی ہے سب احباب خصوصیت سے توجہ فرماویں پُرانے کپڑے یا لحاف وغیرہ جو صاحب ارسال فرماویں شکریہ کے ساتھ قبول کیئے جاویں گے۔ اور جو صاحب اپنے مالوں میں سے اپنے غریب بھائیوں کیلیئے حصہ نکالیں گے اسکا اجر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پاویں گے۔

تعمیر بورڈنگ ہوس کے کام کو شروع کرنا بھی گذشتہ اجلاس مجلس معتمدین میں منظور کیا گیا ہے۔ اسکے لیئے کچھ روپے کا انتظام تو حکیم فضلدین صاحب کی موہوبہ جائداد کے ایک حصہ کے فروخت ہونیسے ہوگیا ہے۔ اور کچھ دوسری طرح پر اللہ تعالیٰ نے مدد پہنچادی ہے۔ یہ مدد دو طرح کی ہے ایک یہ خوشخبری ہے کہ گورنمنٹ نے تعمیر بورڈنگ ہوس میں

دسہزار روپے کی مدد کا وعدہ کیا ہے جو غالباً اپریل کے بعد مل جائیگا۔ اور ہمیں یہ بھی امید ہے کہ اس امداد میں ڈائرکٹر صاحب بہادر جو اس مدرسہ کے قیام میں بحیثیت انسپکٹر ہمیشہ خوشی کا اظہار کرتے رہے ہیں اور بھی ابزادی کی طرف توجہ فرماوینگے۔ اب قوم کا فرض ہے کہ بقیہ رقم کو چندہ سے پورا کر کے اس کام کی بہت جلد تکمیل کرا دے کیونکہ بورڈنگ ہوس کی تنگی کیوجہ سے بہت تکلیف ہے۔ ادھر مدرسہ احمدیہ کی ضروریات دن بدن بڑھ رہی ہیں۔ اور دوسری طرف مہمانخانہ کی ضروریات اس امر کی متقاضی ہیں کہ طلباء کی رہایش کی صورت باہر ہو جائے تو موجودہ بورڈنگ ہوس کا کچھ حصہ مہمانخانہ کیلئے خاص کر دیا جاوے۔ بورڈنگ ہوس کی تکمیل کیلئے پچاس ہزار روپیہ کا تخمینہ ہے جس میں سے قریب سولہ ہزار کے اینٹ پر خرچ ہو چکا ہے اور دسہزار کا وعدہ گورنمنٹ کی طرف سے ہے گویا صرف چوبیس ہزار روپیہ اور بکار ہے۔ جسکے لئے امید ہے آیندہ اجلاس مجلس معتمدین کی طرف سے ایک خاص تجویز پیش کیجاویگی

بورڈنگ ہوس کی ضروریات میں سے ہی ایک مسجد اور شفاخانہ کا باہر ہونا ضروری تھا۔ سوان ہر دو کیلئے بھی اللہ تعالیٰ نے غیب سے ہی سامان پیدا کر دیا ہے یعنی حضرت میر ناصر نواب صاحب کے دل میں یہ جوش ڈالدیا کہ وہ اپنی ہر ایک آسایش کو چھوڑ کر دہ بدہ اور شہر بشہر پھر کر تھوڑا تھوڑا چندہ احباب سے وصول کر کے اس رقم کو پورا کریں۔ چنانچہ میر صاحب موصوف قریباً اڑھائی ماہ کے دورہ کے بعد نومبر کے اخیر عشرہ میں قادیان واپس تشریف لائے ہیں اور ان اڑھائی ماہ میں ساڑھے گیارہ سو روپیہ چندہ کا اپنے ساتھ لائے ہیں۔ اس طرح پر کل رقم ان اغراض کیلئے تین ہزار سے اوپر پہنچ گئی ہے۔ مسجد کیلئے پانچہزار کا تخمینہ تھا۔ اس روپے کو پورا کرنیکے لئے اللہ تعالیٰ نے میر صاحب موصوف کے اخلاص پر ہی نظر کر کے ایک اور سامان بھی پیدا کر دیا یعنی ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی ہمشیرہ کی وصیت کی رو سے قریب اڑھائی ہزار روپیہ مسجد کیلئے اور آگیا۔ چنانچہ میر صاحب نے اب فرمایا ہے کہ اڑھائی ہزار روپیہ یہ اور اڑھائی ہزار روپیہ انکے جمع کردہ چندہ سے لیکر پانچ ہزار روپیہ کے صرف سے باہر ایک مسجد صدر انجمن احمدیہ اپنے انتظام سے بنواوے جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ اب امید ہے کہ انشاء اللہ بورڈنگ ہوس کی عمارت کے بنتے بنتے ہی حضرت میر صاحب موصوف شفاخانہ کیلئے بھی روپیہ پورا کر لیں گے۔ اس طرح پر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کام کی تکمیل کیلئے سارے سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ فالحمد للہ علےٰ ذالک۔

عید فنڈ۔ عید الاضحیٰ قریب ہے۔ سب احباب عید فنڈ کا ایک ایک روپیہ مدرسہ کیلئے اور کھالوں کی قیمت مسکین فنڈ میں دیں۔ (سکرٹری صدر انجمن احمدیہ)